عورت کا نفقہ

اور

مساوات مرد وزن کا مسئلہ

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

(مشیر شرعی برائے اسلامی امور مملکت بحرین)

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	عورت کا نفقہ-اور مساوات مرد وزن کا مسئلہ
مؤلف	:	ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
مترجم	:	مولانا نورالحق رحمانی
کمپوزنگ	:	محمد سیف اللہ
صفحات	:	۸۰
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۲ء
قیمت	:	۶۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
۹	پیش لفظ — مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۲	مقدمہ — ڈاکٹر محمد عمارہ
۱۵	اسلامی شریعت میں عورت کا حق نفقہ
۱۶	تمہید
۱۷	پہلی بحث: اسلامی شریعت میں بیٹی کا حق نفقہ
۱۷	مطلب اول
۱۷	اسلامی شریعت میں باپ پر اولاد کے نفقہ کے وجوب کے دلائل
۲۰	مطلب دوم
۲۰	نفقہ میں لڑکی کی خصوصیت اور لڑکے پر اس کی فوقیت
۲۰	پہلا نقطہ نظر
۲۰	لڑکی کا نفقہ شادی تک اور لڑکے کا نفقہ بلوغ تک یا کمائی کے لائق ہونے تک باپ پر واجب ہے
۲۲	دوسرا نقطہ نظر
۲۲	نفقہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں
۲۵	مناقشہ اور ترجیح

دوسری بحث: اسلامی شریعت میں بیوی کا حق نفقہ	۳۲
مطلب اول	۳۲
اسلامی شریعت میں بیوی کے لئے نفقہ کے وجوب کے دلائل	۳۲
مطلب دوم	۳۷
بیوی کے لئے اس کے شوہر پر واجب نفقہ کی مقدار	۳۷
فرع دوم: بیوی کے نفقہ کے چند پہلو	۴۲
اول: بیوی کے لئے رہائش	۴۲
دوم: کھانا پینا	۴۷
سوم: کپڑا	۴۹
چہارم: زیب وزینت اور نظافت کے سامان	۵۱
پنجم: خادم	۵۲
ششم: کچھ دوسری چیزیں	۵۳
تیسری بحث: اسلامی شریعت میں ماں کا حق نفقہ	۵۷
مطلب اول	۵۷
اسلامی شریعت میں بیٹوں پر ماں کا نفقہ واجب ہونے کے دلائل	۵۷
مطلب دوم	۶۰
نفقہ سے متعلق وہ چیزیں جو ماں کے ساتھ خاص ہیں باپ کے لئے نہیں	۶۰
مطلب سوم	۶۳
ماں کا باپ سے زیادہ اولاد کے حسن سلوک کا مستحق ہونا	۶۳
اسلامی شریعت میں عورت کے حق میراث اور حق نفقہ کے درمیان توازن	۶۷

تمہید	٦٩
اول: میراث کا بیٹی کے نفقہ سے تعلق	٦٩
دوم: ماں کی میراث کا نفقہ سے تعلق	٧٢
سوم: میراث کا بہن کے نفقہ سے تعلق	٧٤
چہارم: میراث کا بیوی کے نفقہ سے تعلق	٧٦
پنجم: کچھ دوسرے حالات	٧٩
دادی کی میراث	٧٩

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اور اس نے زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے، اسی لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے شرعی قوانین ایک دوسرے سے مربوط ہیں، جب تک اس ربط کو ملحوظ نہیں رکھا جائے، اسلام کے عدل اجتماعی کے تصور کو سمجھا نہیں جاسکتا۔شریعت کے تمام احکام کی بنیاد عدل پر ہے، عدل سے مراد ہے ہر شخص کو اس کی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق ذمہ داری سونپا، اور فرائض اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہی ان کے حقوق متعین کرنا، جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی، اس کے حقوق بھی زیادہ ہوں گے، اور جس پر ذمہ داریاں کم ہوں گی، اس کے حقوق بھی کم ہوں گے۔

نفقہ اور میراث کا استحقاق اور اس سلسلہ میں ذمہ داری اور حصہ داری اسی اصول پر مبنی ہے، جب تک قانون میراث اور قانون نفقہ کو ایک دوسرے کے پس منظر میں نہ دیکھا جائے، شریعت اسلامی کے عادلانہ نظام کو سمجھا نہیں جاسکتا، جن لوگوں پر مالی ذمہ داریاں بڑھنے والی ہیں، شریعت نے ان کا حق میراث زیادہ رکھا ہے، اور جو لوگ ذمہ داریوں سے سبکدوش ہورہے ہیں، ان کا حق نسبتاً کم رکھا گیا ہے، اسی طرح جن لوگوں پر افرادِ خاندان کی کفالت کی زیادہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے، میراث میں ان کا حق زیادہ رکھا گیا ہے، اور جن لوگوں پر دوسروں کا بار کفالت نہیں ہے یا کم ہے، میراث میں بھی ان کا حق اسی نسبت سے کم رکھا گیا ہے، اسی لئے بیٹے اور بیٹیوں کا حق بہ مقابلہ ماں باپ کے، اور مردوں کا حق بہ مقابلہ عورتوں کے بعض صورتوں میں

زیادہ ہے اور بعض صورتوں میں برابر یا کم ہے۔

اگر ہر شخص کے حق میراث اور اس کی مالی ذمہ داریوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے اور غور وفکر کی نظر سے دیکھا جائے تو ان کے درمیان نہایت ہی فطری، حکمت ومصلحت پر مبنی اور ضرورت انسانی سے ہم آہنگ ربط محسوس ہوگا، اس مقصد کے لئے قانون میراث اور قانون نفقہ کے دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے، خاص کر قانون میراث کے سلسلہ میں عورتوں کے حقوق کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کا معقول اور مدلل جواب اسی طریقہ پر دیا جا سکتا ہے، اللہ تعالی جزاء خیر عطا فرمائے مصری نژاد امریکی فاضل ڈاکٹر صلاح الدین سلطان حفظہ اللہ کو، کہ انہوں نے بہت ہی باریک بینی، علمی بصیرت اور ایمانی فراست کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، انہوں نے اپنے ایک مقالہ میں میراث میں عورتوں کے حقوق پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور ان صورتوں کا ذکر کیا ہے، جب عورتوں کو اپنے ہم درجہ رشتہ دار مردوں سے زیادہ یا ان کے برابر میراث ملتی ہے، یا عورتوں کو ملتی ہے اور مردوں کو نہیں ملتی، نیز ان صورتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے، جن میں عورتوں کا حق میراث اپنے ہم درجہ مردوں سے کم رکھا گیا ہے، اس سے مقالہ کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے، پھر انہوں نے ایک اور مقالہ میں شریعت کے قانون نفقہ کا جائزہ لیا ہے کہ مردوں اور عورتوں پر نفقہ کی ذمہ داری کس تناسب کے ساتھ عائد ہوتی ہے؟ پھر ایک اور مقالہ میں قانون میراث اور قانون نفقہ کے باہمی ربط کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جن صورتوں میں عورت کا حق میراث کم ہے، ان صورتوں میں اس پر مالی ذمہ داریاں یا تو نہیں ہیں یا بہت ہی کم ہیں، اور انجام کار کے اعتبار سے عورت اپنے ہم درجہ مرد رشتہ دار سے زیادہ نفع میں ہے، اس لئے قانون میراث کو اگر احکام نفقہ کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی رعایت ہے۔

ممتاز عالم دین ڈاکٹر صلاح الدین سلطان صاحب کی کتاب کو محب فاضل مولانا محمد نور الحق رحمانی (استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والإفتاء، پھلواری شریف، پٹنہ) نے

بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اردو کا پیکر عطا کیا ہے، جس میں مصنف کی فکر کی پوری ترجمانی بھی ہے، اور ترجمہ پن بھی نہیں ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اپنے موضوع پر نہایت ہی معیاری، **مدلل** اور معقول تحریر ہے جو اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے **شکوک** و **شبہات** کو بہتر طریقہ پر حل کرتی ہے، اور اس طرح یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود اردو زبان میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے، اللہ تعالیٰ مصنف اور مترجم دونوں کو اس عظیم الشان خدمت پر شایان شان اجر عطا فرمائے، اور اس تحریر کو قبول عام و تام سے سرفراز کرے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری: اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۱۰/دسمبر ۲۰۱۱ء مطابق ۱۴/محرم ۱۴۳۳ھ

مقدمہ

ڈاکٹر محمد عمارہ

جناب ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے "ميراث المرأة وقضية المساواة" (عورت کی میراث اور مسئلہ مساوات) سے متعلق اپنی نئی تحقیق میں حصر واستقراء، چارٹ اور نقشوں کے ذریعہ اس امر پر مادی دلائل پیش کئے ہیں کہ اسلام میں میراث کے مسئلہ میں عورت کے ساتھ صرف انصاف یا مساوات ہی کا برتاؤ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اسے مرد پر فوقیت دی گئی ہے۔

چنانچہ میراث کی حالتوں میں تیس سے زائد حالات وہ ہیں جن میں عورت مرد سے زیادہ یا اس کے برابر حصہ پاتی ہے، یا وہ ترکہ پاتی ہے اور مرد نہیں پاتا، جب کہ صرف چار صورتیں وہ ہیں جن میں اسے مرد کے مقابلہ میں نصف ترکہ ملتا ہے... یہ ایسا معاملہ ہے جو ان مخالفین ومعترضین کا منہ بند کردیتا ہے جو بغیر سمجھے بوجھے بکواس کرتے ہیں اور میراث کے مسئلہ میں اسلام پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اس نے عورت پر ظلم کیا ہے۔

اسی طرح یہ تصور بھی غلط ہوگا کہ میراث میں عورت کو مرد پر جو امتیاز اور فوقیت دی گئی ہے یہ مرد پر ظلم ہے، اس لئے کہ شارع حکیم جو اپنی مخلوق سے زیادہ واقف ہے اس کی عادلانہ وحکیمانہ اور یسر وسہولت کی حامل شریعت نے عورت کی اس غیر محدود بخشش وعطیہ اور گراں قدر احسان کی رعایت اور قدر کی ہے جس سے وہ خاندان اور امت کو فیضیاب اور مالا مال کرتی ہے اور مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں پائی جانے والی کمزوری کا لحاظ کیا ہے، چنانچہ اس وسعت کی حامل

شریعت نے اس مادی میدان میں بھی عورت کو قدر و منزلت عطا کرنا چاہا ہے، جب کہ اس سے قبل شرعی تکالیف واحکام، جزاء وسزا اور اخروی حساب وکتاب میں کامل مساوات کا برتاؤ اور عام کاموں میں شرکت کا موقع دے کر اس کی تکریم اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿والمؤمنو ن والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله أولئک سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم ٥ وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنات تجری من تحتها الأنهار خالدين فيها ومساكن طيبة في جنات عدن ورضوان من الله أكبر ذلک هو الفوز العظيم﴾ (سورۂ توبہ:۷۱-۷۲)

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، یہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا، اللہ عزیز وحکیم ہے۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ایسے باغوں کے لئے ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کے لئے ابد کے باغوں میں اور اللہ کی خوشنودی بھی جو سب سے بڑھ کر ہے، بڑی کامیابی یہ ہے)۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عورت کی، اس کے ساتھ امتیازی سلوک، خطرات سے اس کی حفاظت اور اس کی لامحدود عطا ونوال اور گرانقدر بخشش ونوازش کا صلہ اور انعام عطا کرنا دراصل انجام کے لحاظ سے خود مرد کی تکریم وتعظیم ہے، اس لئے کہ وہ اس کی ماں، بہن، بیوی، بیٹی اور رشتہ دار ہے اور اس کے لئے عیش وآرام اور سکون واطمینان کا باعث ہے، اس لئے کہ عورتیں اسلامی فکر وفلسفہ کی رو سے مردوں کی سگی بہنیں ہیں، وہ ان کی دشمن نہیں۔

اور اب ڈاکٹر ''صلاح الدین سلطان'' اس تحقیق کی تکمیل کرتے ہوئے ہمارے لئے نفقہ کے میدان میں عورت کے لئے ایک نیا اسلامی امتیاز پیش کر رہے ہیں اور اس طرح وہ اس اسلامی

موقف کوعملی جامہ پہنارہے ہیں جس نے عورتوں کے ساتھ وہ عدل وانصاف کیا ہے جسے ہم کسی تہذیب وثقافت اورکسی فلسفے اورنظریے میں نہیں پاتے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ نئی ممتاز ومنفرد تحقیق ہمارے تمام فکری نظریات کے لئے عقل کو استعمال کرنے کی دعوت دے گی تاکہ اسلامی شریعت کی نئی خصوصیات وامتیازات کا انکشاف ہوسکے۔اللہ تعالی نے صحیح فرمایا:'' **ألا يعلم من خلق و هو اللطيف الخبير**'' (سورۂ ملک: ۱۴) (کیاوہ نہ جانے گاجس نے پیدا کیا ہے، وہ تو بڑا ہی باریک بین اورخبر رکھنے والا ہے)۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس اہم فقہی تحقیق اور اس سے پہلے والی تحقیق کوقبول فرماکر لوگوں کے لئے نفع بخش بنائے، بے شک جن سے سوال کیاجائے وہ ان سب میں افضل واکرم اوردعاؤں کاقبول کرنے والا ہے۔

اسلامی شریعت میں عورت کا حق نفقہ

پہلی بحث: اسلامی شریعت میں بیٹی کا حق نفقہ

دوسری بحث: اسلامی شریعت میں بیوی کا حق نفقہ

تیسری بحث: اسلامی شریعت میں ماں کا حق نفقہ

تمہید

عورت کی زندگی کا آغاز والدین کے زیر سایہ ہوتا ہے، باپ بیٹی کے نفقہ کی ذمہ داری برداشت کرتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کی شادی ہوجاتی ہے تو پھر اس کے نفقہ کی ذمہ داری باپ سے شوہر کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، پھر جب شوہر کے ساتھ اس کی زندگی مسلسل گزرتی ہے اور وہ صاحب اولاد بن جاتی ہے تو اسے ماں کا مقدس درجہ حاصل ہوجاتا ہے اور اولاد کے بالغ ہوجانے کے بعد اولاد پر بھی اس کے دوچند حقوق عائد ہوتے ہیں، اور شوہر پر حسب سابق اس کے حقوق برقرار رہتے ہیں، عام حالات یہی ہیں، بعض شاذ ونادر حالات وہ ہیں جن میں اس کی شادی نہیں ہوتی ہے، اس صورت میں اس کا نفقہ اس کے باپ پر علی حالہ برقرار رہتا ہے۔

انشاء اللہ ہماری کوشش ہوگی کہ عورت کی تینوں حالتوں میں اس کا نفقہ جن مردوں پر واجب ہے ذیل میں اس کے دلائل ذکر کریں، اسی کے ساتھ عورت کی ان خصوصیات کو بھی واضح کریں جو بیٹے یا شوہر یا باپ کے موجود ہونے کی صورت میں اسے حاصل ہوتی ہیں۔

پہلی بحث:

اسلامی شریعت میں بیٹی کا حق نفقہ

مطلب اول:

اسلامی شریعت میں باپ پر اولاد کے نفقہ کے وجوب کے دلائل:

۱- بخاری، مسلم اور بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ہندہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے (اپنے شوہر کا ذکر کرتے ہوئے) کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، تو اگر میں ان کے مال میں سے کچھ لے لوں تو کیا مجھے گناہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف"[1] (اتنا لے لیا کرو جو دستور کے مطابق تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو جائے)۔

۲- امام احمد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کرو'' ایک شخص نے کہا: میرے پاس ایک دینار ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنے اوپر صدقہ کرو'' انہوں نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر صدقہ کرو، انہوں نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسے اپنی اولاد پر صدقہ کرو، انہوں نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے خادم پر صدقہ کرو، اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور

(۱) صحیح بخاری، کتاب النفقات حدیث: ۵۳۶۴۔

دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے بارے میں زیادہ باخبر ہو"(۱)۔

۳- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: " فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن"(۲) (پس اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو)۔

امام ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: اس آیت کی رو سے نابالغ اور بالغ، معذور اور اپاہج اولاد کا نفقہ باپ پر لازم ہے اس میں کوئی دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں (۳)۔

اور شیخ ڈاکٹر نوح علی سلیمان لکھتے ہیں: اس آیت سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی اجرت باپ پر واجب کی ہے اور رضاعت کا تعلق نفقہ سے ہے (۴)۔

ان ہی نصوص سے امت کے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: وہ تمام اہل علم جن سے ہم واقف ہیں ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ باپ پر اس کے ان بچوں کا نفقہ واجب ہے جن کے پاس مال نہیں ہے، اور اس لئے کہ انسان کی اولاد اس کا جز ہے اور وہ اپنے باپ کا جز ہے، تو جس طرح اس پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اوپر اور اپنی بیوی پر خرچ کرے، اسی طرح اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے جز پر اور اپنی بیوی پر خرچ کرے (۵)۔

وجوب نفقہ کے سبب کے سلسلے میں اس دقیق مفہوم کی تائید کرتے ہوئے علامہ کاسانی لکھتے ہیں: بوقت ضرورت خرچ کرنے کا تعلق اس شخص کو زندہ رکھنے سے ہے جس پر خرچ کیا جارہا ہے اور لڑکا اپنے باپ کا جز ہے اور اپنے آپ کو زندہ رکھنا آدمی پر واجب ہے، اسی طرح اپنے جز کو

---

(۱) نیل الأوطار للشوکانی ۶/۲۲۱، کتاب النفقات۔

(۲) سورۂ طلاق: ۶۔

(۳) أحکام القرآن للجصاص ۲/۱۵۰۔

(۴) إبراء الذمة من حقوق العباد (۵۴۸)۔

(۵) المغنی ۱۱/۳۷۳۔

زندہ رکھنا بھی اس پر واجب ہوگا(۱)۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ایک فقیہ بھی ایسا نہیں ملا جو اس کا قائل ہو کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر مستحب ہے، بلکہ تمام فقہاء باپ پر نفقہ کے وجوب کے قائل ہیں (۲) اور اگر کوئی باپ اولاد کے نفقہ پر قدرت رکھتا ہو پھر بھی وہ اسے خوش دلی سے ادا نہ کرے تو قاضی اسے اس پر لازم کردے گا(۳)۔

اور جب جمہور فقہاء نے وجوب نفقہ کی صراحت کی ہے تو وہ اسی طرح واجب ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے فرمایا: ایک جماعت نے تمام اولاد کے لئے نفقہ کو واجب قرار دیا ہے خواہ وہ بچے ہوں یا بالغ، مذکر ہوں یا مونث، بشرطیکہ ان کے پاس اتنا مال نہ ہو جو ان کے لئے کافی ہو، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ لڑکے کا نفقہ بلوغ تک اور لڑکی کا نفقہ شادی تک باپ پر واجب ہے اس کے بعد باپ پر نفقہ نہیں ہے، الا یہ کہ وہ معذور اور اپاہج ہوں (۴)۔

اس تصریح کی روشنی میں ہم یہ طے کر سکتے ہیں کہ تمام اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، لیکن یہاں نفقہ کے باب میں لڑکیوں کی وہ خصوصیت ہے جو لڑکوں کی نہیں ہے، اگلی بحث میں اس کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی۔

---

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۳۱۔

(۲) دیکھئے: أحکام القرآن للجصاص من أحکی ۲/ ۱۵۰، بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۳۴، شرح فتح القدیر لابن الہمام ۴/ ۴۱۷، شرح مختصر خلیل ۴/ ۲۰۸، الأم للشافعی ۵/ ۱۰۵-۱۰۷، فتح الباری ۹/ ۵۰۰، المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۷۳، زاد المعاد لابن قیم ۵/ ۵۰۲، المحلی لابن حزم ۱۰/ ۱۰۰، نیل الأوطار للشوکانی ۶/ ۳۲۱، سبل السلام للصنعانی ۳/ ۱۱۶۰، جواہر الآثار لابن عبیدان ۳/ ۳۵۳، المصنف الکندی ۲۳/ ۴۶-۵۹، شرح النیل ۱۵/ ۱۱-۳۹، الجامع المفید لابی سعید ۵/ ۱۸۔

(۳) کتاب النفقات للخصاف مع شرحہ لابن مازہ، البخاری وتحقیق أبوالوفاء الافغانی/ ۴۸۔

(۴) فتح الباری لابن حجر ۹/ ۵۰۰۔

مطلب دوم:

نفقہ میں لڑکی کی خصوصیت اور لڑکے پر اس کی فوقیت:

بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ نفقہ کے باب میں لڑکی کو خصوصیت حاصل ہے، جب کہ دوسرے فقہاء اس سلسلے میں لڑکا اور لڑکی کے درمیان برابری کے قائل ہیں، ذیل میں ہم پہلے دونوں نقطہائے نظر کو پیش کریں گے پھر ان دونوں کے درمیان ترجیح دیں گے۔

پہلا نقطہ نظر:

لڑکی کا نفقہ شادی تک اور لڑکے کا نفقہ بلوغ تک یا کمائی کے لائق ہونے تک باپ پر واجب ہے:

فقہاء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ بیٹی کا نفقہ شادی تک باپ پر واجب ہے، شادی کے بعد یہ ذمہ داری اس کے شوہر کی طرف منتقل ہوجائے گی، لیکن بیٹوں کا نفقہ بلوغ تک ہی ان کے باپ پر ہے، اس نقطۂ نظر کے حاملین میں سے کچھ کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں:

۱- ابن الہمام حنفی نے ذکر کیا ہے کہ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ باپ لڑکے کو نفقہ اس وقت تک دے گا جب کہ وہ کمائی کے لائق ہوجائے اگر چہ بالغ نہ ہو، لیکن لڑکی کے سلسلے میں باپ ایسا نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ اگر لڑکیوں کے پاس مال نہ ہو تو شادی ہونے تک ان کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا اور باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ انہیں اس کے لئے کسی کام یا خدمت پر لگائے اگر چہ انہیں اس کی قدرت ہو۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ عورت کو اگر طلاق دے دی جائے اور اس کی عدت گذر جائے تو اس

کا نفقہ باپ پر لوٹ آئے گا[(۱)]، خصاف نے ''کتاب النفقات'' میں اس کی تائید کی ہے[(۲)]۔

۲- علامہ ابن حزم نے امام ابوحنیفہ اور حماد بن ابی سلیمان سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ چھوٹے محتاج بچوں کے نفقہ کے لئے باپ کو مجبور کیا جائے گا، خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، پس اگر وہ بالغ اور محتاج ہوں تو لڑکیوں کے نفقہ کے لئے اسے مجبور کیا جائے گا لیکن بالغ لڑکوں کے نفقہ کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ معذور اور اپاہج ہوں، اور بالغ عورتوں کے نفقہ کے لئے مجبور کیا جائے گا، خواہ وہ معذور نہ ہوں[(۳)]۔

۳- شرح مختصر خلیل مالکی میں ہے: لڑکے کا نفقہ عاقل بالغ اور کمائی پر قادر ہونے تک اور لڑکی کا نفقہ اس کی شادی پھر اس کے شوہر کے اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے تک باپ پر ہے، لیکن وہ باکرہ لڑکیاں جن کے پاس مال نہ ہو ان کا نفقہ ان کے باپ پر واجب ہے تا آں کہ ان کے شوہر ان سے ازدواجی تعلق قائم کرلیں، پھر اگر انہیں طلاق دے دی جائے تو ان کے باپ پر ان کا نفقہ لوٹ آئے گا، یہاں تک کہ دوبارہ ان کی شادی ہو جائے اور ان کے نئے شوہر ان سے ازدواجی تعلق قائم کرلیں[(۴)]۔

۴- علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو بلوغ تک نفقہ دے اور لڑکی کی شادی ہو جانے تک، پھر باپ پر نفقہ نہیں ہے الا یہ کہ اولاد معذور و اپاہج ہو[(۵)]۔ علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ لڑکی کو لڑکے پر جن احکام میں فوقیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضانت اور نفقہ میں اسے لڑکے پر مقدم رکھا جاتا

(۱) فتح القدیر لابن الہمام ۴/ ۴۱۷۔

(۲) کتاب النفقات/ ۷۱۔

(۳) المحلی لابن حزم ۱۰/ ۱۰۲، یہی بات صاحب تکملۃ المجموع (۱۸/ ۳۰۰) نے امام ابوحنیفہ سے نقل کی ہے المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۷۸۔

(۴) التاج والاکلیل شرح مختصر خلیل ۴/ ۲۰۸۔

(۵) فتح الباری ۹/ ۱۰۵۔

ہے[1]۔ اور رملی شافعی نے ذکر کیا ہے کہ اگر لڑکی نکاح پر قادر ہو اور رغبت نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہ کرے تو اس کا نفقہ ساقط نہ ہوگا[2]۔

۵-شرح النیل میں ہے: بلوغ کی وجہ سے لڑکے کا نفقہ اور شادی کی وجہ سے لڑکی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اور اگر عورت کو طلاق دے دی جائے تو اس کا نفقہ باپ پر لوٹ آئے گا، ہاں طلاق رجعی کی عدت میں اس کا نفقہ شوہر ہی پر رہے گا[3]، اور کندی نزوی اباضی نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اصل میں عورت کمانے سے عاجز ہے، لہذا وہ نابالغ لڑکی کے مشابہ ہے[4] اور تمام اہل مذہب اسی کے قائل ہیں[5]۔

اس طرح حنفیہ، مالکیہ، اکثر شافعیہ اور فقہاء اباضیہ کا مذہب یہ ہے کہ شادی تک نفقہ کا وجوب واستحقاق لڑکی کی خصوصیت ہے، لیکن لڑکے کا نفقہ بالغ ہونے اور کمائی پر قادر ہونے تک ہی واجب ہے، اس کے بعد نفلی طور پر ہے، بطور وجوب نہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر:

نفقہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں:

بعض فقہاء کی رائے ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے درمیان نفقہ میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-علامہ ابن حزم لکھتے ہیں: ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت پر فرض ہے کہ وہ اپنے حسب حال اور اپنے مال کے لحاظ سے اپنے لئے نفقہ اور پوشاک کا انتظام کرے جو ضروری ہے اور جن

---

(۱) الاشباہ والنظائر للسیوطی: ۴۱۳۔

(۲) نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج للرملی ۷/۲۱۹۔

(۳) شرح النیل ۱۵/۱۲۔

(۴) المصنف للکندی ۲۳/۴۶-۴۹۔

(۵) دیکھئے: جواہر الآثار لابن عبیدان ۳/۷۴۴۔

کے بغیر چارہ کار نہیں، پھر اس کے بعد ہر شخص کو ان لوگوں کے نفقہ کے لئے مجبور کیا جائے گا جن کے پاس نہ مال ہے نہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے گذر بسر کر سکتے ہیں، مثلاً والدین، دادا، دادی اوپر تک، لڑکے، لڑکیاں نیچے تک اور بھائی بہن، بیوی ان سب کو وجوب نفقہ کے سلسلے میں برابر رکھا جائے گا اور ان میں سے کسی کو کسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا، اس کے مرنے کے بعد اس کے پاس جو کچھ ہے وہ کم ہو یا زیادہ سب اس میں برابر ہوں گے۔

اور وہ امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرتے ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ لڑکے کا نفقہ اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ وہ کمانے پر قادر ہو اگر چہ بالغ نہ ہو اور لڑکی کا نفقہ اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ اس کی شادی نہ ہو جائے۔

علامہ ابن حزم ان پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جن نصوص میں نفقہ کو واجب قرار دیا گیا ہے ان میں مذکر اور مونث کے درمیان کوئی فرق نہیں کی گئی ہے، بلکہ غمخواری اور مساوات وبرابری کے وجوب کے سلسلے میں نصوص عام ہیں (۱)۔

۲- ابن قدامہ مقدسی عدم تفریق کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے سابق قول کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت ہندہؓ سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف" (اتنا لے لیا کرو جو دستور کے مطابق تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو جائے)، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نہ بالغ کا استثناء فرمایا ہے نہ تندرست کا، اور یہ کہ والد اور اولاد اگر نفقہ کے محتاج ہوں تو وہ نفقہ کے مستحق ہوتے ہیں (۲)۔

۳- شوکانی اور صنعانی نے اس کی تائید کی ہے، شوکانی حضرت ہندہؓ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ حدیث عام ہے کہ بالغ اور نابالغ دونوں کے لئے نفقہ واجب ہوگا، اس لئے

(۱) المحلی ۱۰/۱۰۱۔
(۲) المغنی ۱۱/۳۷۸۔

کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور یہ عموم کے درجہ میں ہے، اور اس وقت حضرت ابوسفیانؓ کی کفالت میں ایسے لوگ بھی تھے جو بالغ تھے مثلاً حضرت معاویہؓ اس لئے کہ حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے، جب کہ حضرت معاویہؓ ۲۸/سال کے تھے اور یہ سوال فتح مکہ کے موقع پر ہوا تھا اور وہ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے جس میں عموم نہیں ہے، اس لئے اس کی بنیاد پر لڑکی کی طرح اس لڑکے کا نفقہ باپ پر واجب قرار نہیں دیا جاسکتا جو بالغ اور کمانے پر قادر ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ جواب ناقابل قبول ہے، اس لئے کہ علم اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک فرد سے خطاب بھی جماعت سے خطاب کرنے کی طرح ہے، اور شوکانی نے ان حضرات کی بھی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق باب فتوی سے ہے باب قضا سے نہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ حق ہی کی بنیاد پر فتوی دیتے تھے (۱)۔

اور صنعانی ذکر کرتے ہیں کہ بلوغ کے بعد بھی لڑکے کے نفقہ کے وجوب کی دلیل نص کا عموم ہے اور کسی دلیل یعنی دوسری حدیث کے بغیر اسے صغر سنی اور عدم بلوغ کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں ہے، ورنہ تو حدیث کا عموم اس کا فیصلہ کرتا ہے (۲)۔

۴- باوجودیکہ علامہ شوکانی امام شافعی کا ذکر ان لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں جو لڑکے کے لئے بلوغ تک اور لڑکی کے لئے شادی تک وجوب نفقہ کے قائل ہیں، لیکن مجھے امام شافعی کی ایک عبارت ایسی ملی ہے جس سے اس کے برعکس بات ثابت ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں: اولاد کا نفقہ بلوغ یا حیض آنے تک واجب ہے، پھر ان کا نفقہ باپ پر نہیں ہے، الا یہ کہ باپ رضاکارانہ طور پر نفقہ دے یا وہ معذور ہوں، اس سلسلے میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں (۳)۔

---

(۱) نیل الاوطار للشوکانی ۶/۳۲۳۔

(۲) سبل السلام للصنعانی ۳/۱۱۶۰۔

(۳) الام للشافعی ۵/۸۷۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے یہ ذکر کیا ہے کہ جمہور کی رائے جیسا کہ پہلے گذر ا یہ ہے کہ لڑکے کے لئے صرف بلوغ تک اورلڑکی کے لئے اس کی شادی ہوجانے تک باپ پر نفقہ واجب ہے اور اس میں انہوں نے امام شافعی کے قول کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے (۱)۔

لیکن صاحب تکملۃ المجموع کی رائے حنفیہ پر رد کرنے کے ضمن میں یہ ہے کہ لڑکی کے ساتھ اس کی تخصیص صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ لڑکی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ کتابت یا کپڑا بننے وغیرہ کا کام کرے یا دوا کے کارخانوں میں کام کرے یا اسکول میں بچوں کو پڑھائے، اس کے علاوہ اپنی عفت وعصمت اور شرم وحیا کی حفاظت کے ساتھ وہ دوسرے کام بھی کرسکتی ہے اور حلال روزی طلب کرسکتی ہے اور عورتیں امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں سوت کاتتی تھیں اور اسے فروخت کرتی تھیں (۲)۔

گذشتہ بحث سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ دوسرے نقطہ نظر کی تائید حنابلہ، ظاہریہ، شیعہ زیدیہ اور ایک قول کے مطابق شافعیہ کرتے ہیں۔

مناقشہ اور ترجیح:

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان دونوں نقطہائے نظر میں پہلا نقطہ نظر راجح ہے جو لڑکے کے لئے بلوغ اور کمائی پر قدرت ہوجانے تک نفقہ کو واجب قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد یہ وجوب ساقط ہوجاتا ہے، البتہ باپ کی طرف سے صلہ رحمی اور نیکی کے طور پر اسے نفقہ دینا جائز ہے، الا یہ کہ وہ ایسا مریض ہو جس کی وجہ سے کام کرنے سے عاجز ہوجائے یا علم کے لئے فارغ ہوجائے یا تعلیم سے فراغت کے بعد شدت طلب کے باوجود کوئی ایسا کام نہ پائے جو اسے بے نیاز کردے، یا کوئی ایسا کام کررہا ہو جس سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو اور اس کے باپ کے پاس اتنا

(۱) فتح الباری ۵۰۱/۹۔
(۲) تکملۃ المجموع للشیخ محمد نجیب المطیعی ۳۰۰/۱۸۔

مال ہو جو اس کی ضرورت پوری کر سکتا ہو۔

لیکن لڑکی کا نفقہ باپ پر شرعاً اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ اس کی شادی نہ ہو جائے، شادی کے بعد عورت کی کفالت کی ذمہ داری باپ سے شوہر کی طرف منتقل ہو جائے گی، لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت کوئی ایسا کام کرے جو اس کی نسوانیت اور دوسری ذمہ داریوں کے مناسب ہو، اس طرح عورت اس سے بے نیاز ہو جائے گی کہ کوئی دوسرا اس کے نفقہ کا بوجھ برداشت کرے، لیکن کسی کام کی تلاش اور اس کے ذریعہ کما کر دوسرے سے بے نیاز ہونا لڑکے کی طرح اس پر واجب نہ ہوگا، ہماری اس ترجیح کی تائید درج ذیل باتوں سے ہوتی ہے:

ا-اسلام میں عورت ایک بلند پیغام اور کام کی انجام دہی کے لئے تیار کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شوہر کے لئے سکون و اطمینان کا باعث بنے اور اولاد کے لئے مہربان ہو، وہ اس مقصد کے لئے تیار نہیں ہوتی کہ کوئی کام کرے، کمائے اور پیشہ اختیار کرے، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے: **"أو من ينشأ في الحلية وهو في الخصام غير مبين"**[(۱)] (کیا وہ پیدا ہوئی ہے جو زیوروں میں پلتی اور مفاخرت میں بے زبان ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے: **"هو الذی خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن إليها"**[(۲)] (وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک ہی جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا کہ وہ اس سے تسکین پائے)۔

امام بخاری حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"خير نساء ركبن الإبل صالح نساء قريش: أحناه على ولد في ذات صغره وأرعاه على زوج في ذات يده"**[(۳)] (سب سے بہتر عورتیں جو اونٹ پر سوار ہوتی ہیں قریش کی

---

(۱) سورۂ زخرف/۱۸۔

(۲) سورۂ اعراف/۱۸۹۔

(۳) صحیح بخاری حدیث: ۵۳۶۵۔

صالح عورتیں ہیں جو بچے پر اس کے بچپنے میں بہت مہربان ہوتی ہیں اور شوہر کی مملوکہ چیزوں کی بہت حفاظت ورعایت کرنے والی ہوتی ہیں)۔

یہ عورت کے لئے ایک قسم کی تکریم اور اس کی جذباتی طاقت وصلاحیت کا صحیح استعمال ہے، اس لئے کہ وہ اپنی اولاد اور شوہر کو محبت اور خیر کے وہ جذبات عطا کرتی ہے جس کی بنا پر وہ اپنی زندگی اور جسمانی بالیدگی اور نشوونما میں صحت وقوت اور توانائی حاصل کرتے ہیں۔

۲-جب کہ عورت کے لئے بعض میدانوں میں اور معین شرعی ضابطوں کے ساتھ کام کرنا مباح ہے تو مرد کے لئے یہ صورت حال نہیں ہے، اس لئے کہ مرد کے حق میں عمل ایک شرعی فریضہ ہے، جس کے چھوڑنے سے وہ گنہ گار ہوتا ہے، لہذا اگر کوئی مرد کمائی پر قادر ہو پھر بھی وہ مانگنے جائے یا بیٹھا بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہے کہ دوسرے لوگ اس کی کفالت کریں گے تو وہ شرعاً گنہ گار ہوگا، چنانچہ امام بخاری حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "والذي نفسي بيده لأن يأخذ أحدكم حبلاً فيحتطب على ظهره خير له من أن يأتي رجلاً أعطاه أو منعه"[1] (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، البتہ تم میں سے کسی کا رسی لے کر جانا اور اپنی پیٹھ پر لکڑی کاٹ کر لانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس مانگنے جائے جو اسے دے یا نہ دے)۔

یہ اور اس کے علاوہ دوسری احادیث کمائی پر قدرت رکھنے والے ہر مرد پر اس بات کو لازم قرار دیتی ہیں کہ وہ کام کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور گداگری سے پرہیز کرے اور کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرکے اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور دوسروں پر بھی صدقہ کرے، لیکن عورتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، چنانچہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ عورت کے لئے کام کرنا واجب ہے، بلکہ تمام علمی بحثیں اس محور پر گردش کرتی ہیں کہ عورت کے لئے کام کرنے کے جواز کی حد کیا ہے اور

(۱) بخاری حدیث: ۱۴۷۰، یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ لکڑی کاٹ کر پیٹھ پر لانے اور اسے فروخت کرنے کا پیشہ اختیار کرنے کا خطاب عورتوں سے ہوگا۔

مباح کا تارک گنہ گار نہیں ہوتا، اس لئے کہ یہ اختیاری طور پر کسی چیز کو طلب کرنا ہے، الزام اور وجوب کے طور پر نہیں۔

۳- (قول راجح کی بنیاد پر) یہ بات ظاہر ہورہی ہے کہ آیت کریمہ: "وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى"[۱] (اور اپنے گھروں میں ٹک کے رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو) میں گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور امہات المؤمنین سے ہے، لیکن اسی سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جو مسلمان عورت اس مسئلے میں ان کی اقتدا کرنا چاہے تو وہ ایسا کرسکتی ہے، ایسی صورت میں جب کہ وہ امہات المؤمنین کی اتباع کرے تو اسے اس کی ضرورت ہوگی کہ کوئی مرد اس کی کفالت کرے۔

۴- اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کے لئے اصل کمانا، پیشہ اختیار کرنا اور معاش کے لئے سعی کرنا ہے اور عورت کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ عمل کے میدانوں میں مردوں کی مزاحمت سے محفوظ رہے اور اگر اسے اس کی اجازت دی بھی جائے تو وہ محض اباحت تک رہے گی، اسی بنا پر ہمیں قرآن کریم میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے جب دو عورتوں کو مدین کے کنویں پر بکریوں کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا تو ان سے دریافت کیا: "ما خطبكما؟" (تمہارا کیا ماجرا ہے؟) یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ان کی بکریاں چرانے اور انہیں پانی پلانے کی سعی کرنے کو بنظر استعجاب دیکھا تو لڑکیوں نے اس کی علت اس طرح بیان کی: "لانسقي حتى يصدر الرعاء وأبونا شيخ كبير"[۲] (ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ چرواہے اپنی بکریاں ہٹا نہ لیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں)۔

اس میں ان عورتوں نے کام کے ضابطے کو اس کی علت کے ساتھ بیان کیا، اور وہ یہ ہے

---

(۱) سورۂ احزاب۔
(۲) سورۂ قصص۔

کہ انہیں یہ زحمت اس لئے اٹھانی پڑی کہ ان کے والد سن رسیدہ اور بکریاں چرانے اور انہیں پانی پلانے سے عاجز ہیں۔ اور آیت کریمہ: "ولیس الذکر کالأنثی"[1] (اور لڑکا لڑکی کی مانند تو نہیں ہوتا) گھر سے باہر کام کرنے کے سلسلے میں وارد ہے۔

یہ آیت کریمہ اگر چہ ہم سے پچھلی شریعت کے بارے میں ہے، لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی ہے، اس لئے وہ ہمارے لئے بھی شریعت بن گئی، بلکہ قرآن کریم تو ہمیں ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے اور عملی طور پر انہیں اپنانے کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے: "**لقد کان فی قصصهم عبرة لأولی الألباب**"[2] (ان کی سرگزشتوں میں اہل عقل کے لئے بڑا سامان عبرت ہے)، اور عبرت احکام میں غور کرنے اور واقعات کے حکم کو ماضی سے حال کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے۔

۵- یہ بات ذہن میں رہے کہ شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو ذکر کیا ہے کہ عورت اگر اپنی عفت وعصمت اور قدر ومنزلت کی حفاظت کے ساتھ تصنیف وتالیف، صحافت اور بچوں کے اسکول میں تدریس کی خدمت انجام دے، یا بننے کا کام کرے، یا کسی کارخانے یا ہسپتال میں کام کرے تو شرعی لحاظ سے اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے[3]۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس کے باوجود عورتوں کے لئے عمل کا موقع مردوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شرافت اور مرتبہ میں ان کا درجہ مردوں سے کم ہے، بلکہ اس لئے کہ کچھ کام ایسے ہیں جو عورت کی نسوانیت اور ضعف ونزاکت سے میل نہیں کھاتے ہیں مثلاً زمین کھودنا، کان

---

(۱) سورۂ آل عمران/ ۳۶۔

(۲) سورۂ یوسف/ ۱۱۱۔

(۳) تکملۃ المجموع ۱۸/ ۳۰۰۔

کھودنا، موٹر، کار اور بسوں کی مرمت کرنا، لوہاری اور ٹرین اور ہوائی جہاز چلانے جیسے کام، اور جن صورتوں میں وہ اپنے لئے شرعی طور پر مناسب کام کا موقع نہیں پاتی اس کا تناسب بہت کم ہے اور اس کا نفقہ اس کے باپ پر باقی رہتا ہے، یہاں تک کہ یہ ذمہ داری دوسرے مردوں مثلاً شوہر یا بیٹے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔

۶-شاید اس سے ان احادیث کی تائید ہوتی ہے جن میں خاص طور پر لڑکیوں پر خرچ کرنے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس سلسلے کی ایک روایت وہ ہے جسے بخاری، مسلم اور بیہقی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں، اس نے مجھ سے کچھ مانگا، میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ نہیں تھا، چنانچہ میں نے وہ کھجور اس کو دے دیا، اس نے اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا، پھر وہ اٹھی اور اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ جانے لگی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من ابتلي من البنات بشيئ فأحسن إليهن كنّ له ستراً من النار"[1] (جو شخص لڑکیوں کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور وہ ان کے ساتھ احسان کرے تو وہ اس کے لئے جہنم سے ڈھال بن جائیں گی)۔

امام محمد بن الحسن حر عاملی شیعی نے حضرت ابو عبد اللہ سے نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو پھوپھیوں یا دو خالاؤں کی کفالت کرے تو وہ دونوں اس کے لئے جہنم سے ڈھال بن جائیں گی [2]۔

۷-اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے نقطۂ نظر کے حاملین کا مذہب صحیح ہے اور میں علامہ ابن

---

(۱) صحیح بخاری حدیث: ۵۹۹۵، مسلم ۲/۴ ۴ ۶، سنن البیہقی ۴/ ۷۸ ۴۔

(۲) تفصیل وسائل الشریعہ ۲۱/ ۵۴۷۔

الہمام کی درج ذیل دقیق عبارت سے پورا اتفاق کرتا ہوں کہ لڑکیوں کے پاس اگر اپنا مال نہ ہو تو شادی ہونے تک ان کا نفقہ باپ پر ہوگا اور باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ انہیں کسی کام یا خدمت میں لگائے اگرچہ انہیں اس کی قدرت اور استطاعت ہو، اور اگر انہیں شادی کے بعد طلاق دے دی جائے تو عدت گذر جانے کے بعد پھر ان کا نفقہ باپ پر لوٹ آئے گا[1]۔

(۱) فتح القدیر ۴/ ۳۱۷۔

دوسری بحث:

اسلامی شریعت میں بیوی کا حق نفقہ

مطلب اول:

اسلامی شریعت میں بیوی کے لئے نفقہ کے وجوب کے دلائل:

شوہر پر بیوی کے نفقہ کے وجوب پر بہت سے **دلائل** ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالی کا یہ فرمان: "**الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما أنفقوا من أموالھم**"(۱) (مرد عورتوں کے سرپرست ہیں، بوجہ اس کے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور بوجہ اس کے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

علامہ طبری تحریر فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے مردوں کو ان کی بیویوں پر فضیلت دی ہے، اس لئے کہ وہ انہیں مہر دیتے ہیں اور اپنے **مال** سے ان کا نفقہ ادا کرتے ہیں اور ان کے دیگر اخراجات کی کفالت کرتے ہیں (۲)۔

قاسمی (۳) نے ذکر کیا ہے کہ اس آیت سے مراد مہر اور نفقہ ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

---

(۱) سورۂ نساء ر ۳۴۔

(۲) جامع البیان للطبری ۵/۳۷۔

(۳) تفسیر القاسمی ۵/۱۳۰۔

جب شوہر بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو جائے تو وہ اس کا قوام نہیں ہوسکتا[1]۔

۲- اللہ تعالی کا یہ فرمان: **"وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف"**[2]

(اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے)۔

امام نووی المجموع میں لکھتے ہیں: اس آیت میں صراحت کی گئی ہے کہ ولادت کی حالت میں بیویوں کا نفقہ واجب ہے تا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ نفاس کی وجہ سے استمتاع کے قابل نہ ہونے کی حالت میں بھی اس کے لئے نفقہ واجب ہے، تا کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ نفاس کی حالت میں بیوی کے لئے نفقہ واجب نہیں ہے[3]۔

خصاف لکھتے ہیں: **مولود لہ** سے مراد باپ ہے، مطلب یہ ہے کہ باپ پر ماؤں کا کھانا اور ان کا کپڑا واجب ہے، اس لئے کہ اس کی روزی اور پوشاک والد پر واجب ہے، اگر چہ وہ دودھ نہ پلا رہی ہو، لیکن جب تک اسے ولادت نہ ہوئی ہو اور وہ بچہ کو دودھ نہ پلا رہی ہو تو اس کے لئے کھانا اور کپڑا شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دینے کی وجہ سے واجب ہوگا اور اگر اسے ولادت ہو جائے اور وہ بچے کو دودھ پلائے تو نفقہ کا بعض حصہ شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دینے کی وجہ سے واجب ہوگا اور بعض دودھ پلانے کی وجہ سے[4]۔

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیوی جب دودھ پلائے تو ماں اور بچے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کے لئے زائد نفقہ واجب ہوگا اور عورت کو لاغری اور کمزوری کا سامنا کرنے کے لئے نہیں چھوڑا جائے گا، اس لئے کہ وہ جو خدمات انجام دیتی ہے وہ بہت ہیں اور جو کچھ وہ لیتی ہے وہ بہت کم ہے۔

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن ۳/ ۱۷۳۹۔

(۲) سورۂ بقرہ/ ۲۳۳۔

(۳) المجموع ۱۸/ ۲۳۷۔

(۴) النفقات للخصاف الحنفی/ ۱۳۔

۳- بخاری نے حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا أنفق المسلم نفقة علی أهله و هو یحتسبها کانت له صدقة"[1] (جب مسلمان اپنے اہل وعیال کے نفقہ میں خرچ کرے اور وہ اجر وثواب کی امید رکھے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہوگا۔

علامہ ابن حجر نے حدیث کی تشریح میں طبری کا قول ذکر کیا ہے کہ بیوی کو نفقہ دینا واجب ہے اور جو اسے نفقہ دیتا ہے وہ اپنے قصد وارادہ کے اعتبار سے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے واجب ہونے اور اس کا صدقہ نام رکھے جانے کے درمیان کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، بلکہ یہ نفلی صدقہ سے افضل ہے، اور مہلب لکھتے ہیں: بیوی کا نفقہ بالاتفاق واجب ہے اور شارع نے اس کا نام صدقہ اس اندیشہ سے رکھا ہے کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اس واجب کے ادا کرنے میں ان کے لئے اجر وثواب نہیں ہے[2]۔ اور ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری نے جو باب قائم کیا، "وجوب النفقه علی الأهل و العیال" (اہل وعیال پر نفقہ کا وجوب) تو انہوں نے بیوی کے حق کو دو مرتبہ مؤکد کرنا چاہا، اس لئے کہ اہل سے مراد بیوی ہے اور عیال کا اطلاق بیوی اور اولاد دونوں پر ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے حق کو مؤکد کرنے کے لئے دو مرتبہ اس کا ذکر کیا گیا[3]۔

۴- بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی غنی باقی رہے اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور تم جن کی کفالت کرتے نفقہ کا آغاز ان سے کرو، بیوی کہے گی کہ یا تو آپ مجھے کھلائیں یا طلاق دیں اور غلام کہے گا کہ مجھے کھلایئے اور مجھ سے کام لیجئے اور بیٹا کہے گا کہ مجھے کھلایئے یہاں تک کہ آپ مجھے چھوڑ دیجئے؟ تو لوگوں نے پوچھا، اے ابوہریرہؓ! کیا تم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی

---

(۱) صحیح البخاری حدیث: ۵۳۵۱، نسائی حدیث: ۲۵۴۴۔

(۲) فتح الباری ۹/ ۴۹۸۔

(۳) حوالۂ سابق ۹/ ۵۰۰۔

ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں، یہ ابوہریرہ کی سمجھ ہے[1]۔

۵- حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی حضرت ہندہؓ کی حدیث، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف"[2] (اتنا لے سکتی ہو جو دستور کے مطابق تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے کافی ہو جائے)۔

۶- وہ حدیث جسے مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "اتقوا الله في النساء، فإنهن عوان عندكم، أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف"[3] (عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، بے شک وہ تمہارے پاس مددگار ہیں تم نے انہیں اللہ کی امانت پر لیا ہے، اور ان کی عصمت کو تم نے اللہ کی بات کے ذریعہ اپنے لئے حلال کیا ہے، اور ان کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق تم پر واجب ہے)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: بھلائی کی جڑ صاحب حق کو اس کی طلب پر پورا پورا حق دینا ہے اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرنا ہے، اس کی ضرورت اور طلب کا انتظار نہیں کرنا ہے اور نہ کراہت کا اظہار کرتے ہوئے ادا کرنا ہے اور وہ ان دونوں میں سے جس کو بھی چھوڑے گا ظلم ہوگا، اس لئے کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور تاخیر سے حق ادا کرنا بھی ٹال مٹول ہے[4]۔

ان نصوص سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نفقہ واجب ہے اور بر وقت اور اچھے انداز میں اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری حدیث: ۵۲۵۵۔

(۲) اس حدیث کی تخریج گذر چکی۔

(۳) صحیح مسلم ۱/۵۱۲۔

(۴) الام للشافعی ۵/۱۰۷۔

یہ اور اس کے علاوہ دیگر نصوص کی وجہ سے اس مسئلے میں امت کے فقہاء کا اتفاق ہے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیویوں کا نفقہ ان کے شوہروں پر واجب ہے(۱)۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام اسلامی مذاہب اور فقہی مکاتب کے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے، البتہ اس نفقہ کی مقدار اور سبب وجوب کے سلسلے میں اختلاف ہے(۲)۔

بلکہ امت کے بعض فقہاء بیوی کے نفقہ کے سلسلے میں خاص امتیاز کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ ابن القیم (۳) اور علامہ سیوطی کی رائے ہے کہ بیوی کا نفقہ دوسرے اقارب کے نفقہ سے چند امور میں مختلف ہے، جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

۱- بیوی کا نفقہ شوہر پر ہر حال میں واجب ہے، خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست بخلاف دوسرے رشتہ داروں کے نفقہ کے کہ وہ صرف خوشحالی کی صورت میں واجب ہے۔

۲- اگر گذری ہوئی مدت میں بیوی کو نفقہ ادا نہیں کیا ہے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا، جب کہ دیگر رشتہ داروں میں سے کسی کے لئے گذری ہوئی مدت کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

وجوب نفقہ کے عقلی دلائل میں سے قابل ذکر دلیل وہ ہے جسے علامہ کاسانی نے ذکر کیا ہے کہ عورت قید نکاح میں مقید و محبوس ہے جو شوہر کا حق ہے اور کمانے سے روک دی گئی ہے اور اس کے محبوس رہنے کا فائدہ شوہر کو حاصل ہوتا ہے، لہذا اس کی کفالت اسی پر ہوگی، اس لئے کہ آمدنی ضمان کے عوض میں ہوتی ہے، جیسا کہ قاضی کے لئے مسلمانوں کے بیت المال سے تنخواہ مقرر کی جاتی ہے، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے مصالح کے لئے محبوس ہوتا ہے اور کمائی نہیں کرسکتا، لہذا

---

(۱) المغنی ۱۱/ ۳۴۸۔

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۱۵، کتاب النفقات للخصاف الحنفی ص ۳۱، مختصر خلیل ۴/ ۱۸۱، الام للشافعی ۵/ ۸۸-۱۰۷، فتح الباری لابن حجر ۹/ ۵۰۷، المحلی لابن حزم ۱۰/ ۸۸، نیل الاوطار للشوکانی ۶/ ۳۲۱، سبل السلام للصنعانی ۳/ ۱۱۶۱، تفصیل وسائل الشیعہ للحر العاملی ۲۱/ ۵۱۷، جواہر الاٰثار ۳/ ۲۴۱۔

(۳) زاد المعاد ۵/ ۵۰۸۔

مسلمانوں کے مال سے اس کے لئے نفقہ مقرر کیا گیا ہے[۱]۔

مطلب دوم:

بیوی کے لئے اس کے شوہر پر واجب نفقہ کی مقدار:

پہلی فرع: نفقہ کی تحدید میں کیا شوہر یا بیوی یا دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی؟

بیوی کے لئے جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس کی مقدار کے سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اس میں شوہر کے حال کی رعایت کی جائے گی یا بیوی کے حال کی یا دونوں کے حال کی[۲]؟ تو جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ صرف شوہر کے حال کی رعایت کی جائے گی ان کی نظر قرآن کریم کی اس آیت پر ہے: "**لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه اللّٰه لايكلف الله نفسا إلا ماآتاها سيجعل الله بعد عسر يسرا**"[۳] (چاہئے کہ کشادگی والا اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس کو کم ہی رزق دیا گیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہے، جتنا جس کو اللہ نے دیا ہے، اس سے زیادہ کسی پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا، اللہ تنگی کے بعد کشادگی بھی پیدا کرے گا)۔

اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ بیوی کے حال کی رعایت کی جائے گی ان کی نظر اللہ تعالی کے اس قول پر ہے: "**وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف**"[۴] (اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے)۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۴/ ۱۵۔

(۲) دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۴۸-۳۴۹، بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۲۴، الام للشافعی ۵/ ۸۶، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۸/ ۶۶۴۹، طبعۃ الشعب، شرح النیل محمد بن یوسف اطفیش ۱۵/ ۴۱۷، نیل الاوطار للشوکانی ۶/ ۳۲۲-۳۲۳، زاد المعاد ۵/ ۴۹۱۔

(۳) سورۂ طلاق/ ۷۔

(۴) سورۂ بقرہ/ ۲۳۳۔

اور جولوگ اس کے قائل ہیں کہ دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی، انہوں نے دونوں دلیلوں کو جمع کیا اور دونوں نصوص پر عمل کیا ہے اور دونوں جانب کی رعایت کی ہے، جیسا کہ ابن قدامہ نے فرمایا: بیوی کا نفقہ زوجین کی حالت کے ساتھ مقید ہے، اس لئے اگر وہ دونوں خوش حال ہوں تو شوہر پر خوش حال **لوگوں** کا نفقہ ہوگا اور اگر دونوں تنگ دست ہوں تو اس پر تنگ دست **لوگوں** کا نفقہ ہوگا اور اگر دونوں تنگ دست ہوں تو اس پر تنگ دست **لوگوں** کا نفقہ ہوگا اور اگر دونوں متوسط درجہ کے ہوں تو بیوی کے لئے متوسط درجہ کے **لوگوں** کا نفقہ ہوگا، اسی طرح اگر ان دونوں میں سے ایک خوش حال اور دوسرا تنگ دست ہو تو بھی اس کے لئے متوسط درجہ کے **لوگوں** کا نفقہ ہوگا(۱)۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت کریمہ: ''**لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله**''(۲) (چاہئے کہ کشادگی والا اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس کو کم ہی رزق دیا گیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہے)۔

نفقہ میں صرف شوہر کے حال کی رعایت کرتی ہے، لیکن وہ تمام نصوص جو بیوی کے نفقہ کو بیان کرتے ہیں وہ معروف کے لفظ سے خالی نہیں ہیں، مثلاً یہ آیت: ''**وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف**''(۳) (اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے)۔

اور معروف کا لفظ بیک وقت ان دونوں کے حقوق سے متعلق ہے، اس لئے کہ اس میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو خاص نہیں کیا گیا ہے اور یہ بات معروف کے خلاف ہے کہ مال دار

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۴۸-۳۴۹۔

(۲) سورۂ طلاق/ ۷۔

(۳) سورۂ بقرہ/ ۲۳۳۔

عورت کا نفقہ فقیر عورت کے نفقہ کی طرح ہو جیسا کہ قرطبی نے فرمایا[1]، اور وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: اورمعروف وہ ہے جو متعارف ہو، کمی بیشی نہ ہو[2]۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مقدار نفقہ کے بارے میں مفتی کو چاہئے کہ پہلے اس کے حال کو دیکھے جس پر خرچ کیا جائے گا، پھر خرچ کرنے والے کی حالت کو دیکھے، پس اگر اس کی حالت متحمل ہو تو اسے اس پر نافذ کردے اور اگر اس کی حالت اس شخص کی ضرورت کی مقدار سے کم ہو جسے نفقہ دیا جارہا ہے تو وہ جس مقدار کا متحمل ہے اس کی طرف لوٹا دے گا[3]۔

عقلی اور واقعی نقطۂ نظر سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے تھی، لیکن ہم فقہاء کی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ امام شافعی کی طرف یہ بات نقل کرتے ہیں کہ وہ نفقہ کی تحدید وتعیین میں صرف شوہر کے حال کی رعایت کرتے ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: امام شافعی اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ نفقہ محدود و متعین ہے، اس میں کسی حاکم یا مفتی کے لئے اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، اس کی تعیین تنہا شوہر کی حالت کے پیش نظر ہوگی، اسی کی خوش حالی یا تنگ دستی کا اعتبار کیا جائے گا، اس میں بیوی کی حالت اور ضرورت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ خلیفہ کی بیٹی کے لئے وہی نفقہ واجب ہوگا جو چوکیدار کی بیٹی کے لئے واجب ہوگا[4]۔

علامہ ابن قیم امام شافعی اور ان کے اصحاب پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نفقہ کی مقدار کو عرف کی طرف لوٹانا واجب ہے، اس لئے کہ نفقہ میں جو واجب ہے اس کی تحدید وتعیین مدیا رطل کے ساتھ نہیں کی گئی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اسلامی شریعت جو کامل اور عدل وانصاف اور حکمت

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن ۸/ ۹-۲۶۴۔

(۲) حوالۂ سابق۔

(۳) حوالۂ سابق ۸/ ۲۶۴۹۔

(۴) حوالۂ سابق۔

ومصلحت پر مبنی ہے وہ اس سے ابا کرتی ہے کہ نفقہ کی تعیین وزن اور پیمائش سے کی جائے اور اسے بالکلیہ رد کرتی ہے جیسا کہ عقل اور عرف اسے کرتے ہیں... اور جب امام شافعی کے بعض اصحاب نے اس اشکال واعتراض سے کوئی چھٹکارا نہیں پایا تو انہوں نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ جب وہ کھالے گی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا(۱)۔

اور حق یہ ہے کہ امام شافعی نے صرف کھانے کے نفقہ کی ادنیٰ مقدار کی تعیین کی ہے کہ وہ کم سے کم ایک مد ہے، وہ فرماتے ہیں: نفقہ کی اقل مقدار ایک مد مقرر کی گئی ہے اور اس پر اس بات سے استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس صحابی کو جنہوں نے رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا اسے ایک عرق (بڑا ٹوکرا) دیا تھا جس میں ساٹھ مسکینوں کے لئے پندرہ صاع کھجور تھی، تو اس طرح ہر مسکین کے لئے ایک مد ہوا، اس لئے کہ عرق پندرہ صاع کا ہوتا ہے(۲)۔

لیکن امام شافعیؒ کے دوسرے اقوال بھی ہیں جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نفقہ کی تعیین میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ اس بناپر یہ بات درست نہیں ہے کہ بعض فقہاء کی طرف سے ان پر نکتہ چینی کی جائے، اسی قبیل سے ان کا یہ قول ہے: شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے اس کی ضرورت یعنی نفقہ، رہائش اور پوشاک کا انتظام کرے اور اس کے بیمار یا اپاہج ہونے کی صورت میں اس کی خدمت کا ایسا نظم کرے جس سے اس کے بدن کی اصلاح ہو... اور اس کا بھی احتمال ہے کہ شوہر پر اس کے خادم کا نفقہ ہو جب کہ وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو جس کے افراد اپنا کام خود سے نہ کرتے ہوں اور یہ بہت سے اہل علم کا مذہب ہے(۳)۔

---

(۱) زاد المعاد ۵/ ۴۹۳۔

(۲) الام للشافعی ۵/ ۸۹۔

(۳) حوالۂ سابق ۵/ ۸۷

وہ فرماتے ہیں: تنگ دست شوہر پر اپنی بیوی کے نفقہ کی جو کم سے کم مقدار لازم ہے وہ وہ ہے جس کا ان دونوں کے شہر میں عرف ہو، لہذا اگر عرف یہ ہو کہ اس جیسی اکثر عورتوں کی خدمت کے لئے خادم رہتے ہوں تو شوہر اس کی اور اس کے ایک خادم کی کفالت کرے گا، اس سے زیادہ کی نہیں (۱)۔ وہ مزید فرماتے ہیں: اگر وہ ایسے شہر میں ہو جس میں لوگ مختلف قسم کے غلے استعمال کرتے ہوں تو اس جیسی عورتیں جو غلہ استعمال کرتی ہوں اس کے لئے وہی ہوگا (۲)۔ آگے مزید فرماتے ہیں: شوہر پر اس کی بیوی اور اس کی نابالغ اولاد کا نفقہ عرف کے مطابق واجب ہوگا اور معروف وہ نفقہ ہے جو اس جیسی عورت کے لئے اس شہر میں ہو جس میں وہ موجود ہے (۳)۔

بہر حال امام شافعیؒ میاں بیوی دونوں کے حال کی رعایت کرتے ہیں، لہذا اگر اس جیسی عورت کے لئے خادم رہتے ہوں تو وہ اس کے لئے خادم بھی مقرر کرتے ہیں اور نفقہ کی مقدار کو اس مقدار کی طرف محول کرتے ہیں جو ان دونوں کے زمانہ میں اور ان دونوں کے شہر میں معروف ہو اور ضمیر کو ان دونوں کی طرف لوٹاتے ہیں، کسی ایک کی طرف نہیں اور اس غلہ کو واجب قرار دیتے ہیں جو ان دونوں کے زمانہ میں اور شہر میں زیادہ استعمال ہوتا ہو۔

ابو العباس شافعی کی رائے ہے کہ عورت کے لئے پوشاک عرف کے لحاظ سے اور جاڑا گرمی کے موسم کے لحاظ سے مختلف ہوگی (۴)۔

اور صاحب تکملۃ المجموع کی رائے ہے کہ نفقہ میں کچھ پہلو ایسے ہیں جو محبت، مروت اور حسن معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں (۵)۔

ان تمام تصریحات سے ہمیں یہ اطمینان حاصل ہوجاتا ہے کہ امام شافعیؒ اور ان کے

(۱) حوالہ سابق۔
(۲) حوالہ سابق۔
(۳) حوالہ سابق ۵/ ۱۰۷۔
(۴) نہایۃ المحتاج لمحمد بن ابی العباس ۷/ ۱۹۳۔
(۵) تکملۃ المجموع ۱۸/ ۲۵۵۔

اصحاب نفقہ کی تحدید وتعیین میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کی رعایت کرتے ہیں، اس کے بعد ان سے غلہ یا گوشت یا اس کے علاوہ کی متعین مقدار کی تحدید کے سلسلے میں جو کچھ منقول ہے وہ اس تفصیل پر ہے جو ان کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، وہ فقہی منہج کے مطابق قواعد مقرر کرتے ہیں پھر وہ صورت حال پر اس کی تطبیق کرتے ہیں، فتوی کے ایک طرز پر جس کی تعیین زمان ومکان کے لحاظ سے کی جاتی ہے، اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فقہ اور دیگر علوم میں امام شافعی کا جو مقام ہے اس لحاظ سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اس کے قائل ہوں کہ خلیفہ کی بیٹی کا نفقہ چوکیدار کی بیٹی کے نفقہ کی طرح ہوگا۔

فرع دوم: بیوی کے نفقہ کے چند پہلو:

نفقہ کی تحدید میں جب راجح اور مختار یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی تو امت کے فقہاء نے کچھ واضح نشانات اور پہلوؤں کی تعیین کردی ہیں جن کی رعایت بیوی کے نفقہ کی تحدید میں لازم ہے، جن میں سے کچھ اہم پہلو درج ذیل ہیں:

اول: بیوی کے لئے رہائش:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**أسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم**"[1] (اور ان کو رکھو جس طرح اپنی حیثیت کے مطابق تم رہتے ہو)۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: جب مطلقہ کے لئے رہائش واجب ہے تو جو بیوی نکاح میں ہو اس کے لئے بدرجۂ اولی واجب ہوگی... اور اس لئے بھی کہ بیوی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے، کام کاج کرنے، جنسی تعلق قائم کرنے اور سامان کی حفاظت کرنے کے لئے گھر سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، اور مسکن اور رہائش کا نظم زوجین کی خوش حالی اور ان کی تنگ دستی کے اعتبار سے ہوگا[2]۔

---

(۱) سورۂ طلاق/۶۔

(۲) المغنی ۱۱/۳۵۵۔

اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سورۂ احزاب میں گھروں کی نسبت جو شوہروں کے بجائے بیویوں کی طرف کی گئی ہے اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ بیویوں کو اس گھر سے ملک منفعت حاصل ہوتی ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: "واذكرن ما يتلى في بيوتكن من آيات الله والحكمة"[1] (اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو)، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں: "ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة"[2] (اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں الا آنکہ وہ کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوں)۔

ان دونوں آیات میں گھروں کی اضافت بیویوں کی طرف کی گئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو شوہر کے گھر میں ملک منفعت حاصل ہوتی ہے، اور امت کے فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شوہر پر بیوی کے لئے مسکن مہیا کرنا واجب ہے، اگر کوئی اختلاف ہے تو اس مسئلہ میں ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کو نفقہ کے ساتھ سکنی حاصل ہوگا یا نہیں؟ اور یہ فقہ اسلامی کے مشہور اختلافی مسائل میں سے ہے، جس کی تفصیل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

بہت سے فقہاء نے بیوی کے مسکن کی صفات کے سلسلے میں گفتگو کی ہے، جن میں سے بعض کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں:

۱- یہ کہ مسکن صرف زوجین کے لئے خاص ہو:

عورت کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے ازدواجی زندگی کے لئے ایسے خاص مسکن کا مطالبہ کرے جس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہو، ذیل میں ہم اس مسئلہ سے متعلق بعض فقہاء کی عبارتیں نقل کر رہے ہیں جو بہت صریح اور واضح ہیں:

الف- علامہ کاسانی فرماتے ہیں: شوہر اگر اپنی بیوی کو اس کی سوکن یا اپنے قریبی رشتہ

(۱) سورۂ احزاب/ ۳۴۔

(۲) سورۂ طلاق/ ۱۔

دارعورتوں کے ساتھ رکھنا چاہے مثلاً شوہر کی ماں، اس کی بہن، اس کی بیٹی جو دوسری بیوی سے ہو اور اپنے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ اور وہ اس کے لئے راضی نہ ہو تو شوہر پر لازم ہوگا کہ وہ اسے علاحدہ گھر میں ٹھہرائے، اس لئے کہ بیوی کو بسا اوقات ان عورتوں کے ساتھ رہنے میں ضرر لاحق ہوگا (۱)۔

ب-خصاف حنفی فرماتے ہیں: اگر شوہر چاہے کہ اس کی بیوی کے ساتھ اس کی ماں یا اس کی بہن یا اس کی رشتہ دار عورتوں میں سے کوئی رہے اور بیوی کہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہوں گی تو اسے اس کا حق ہوگا، اس لئے کہ اگر وہ خالی نہیں رہے گی تو اس کے لئے جب چاہے سونا اور نکلنا ممکن نہ ہوگا (۲)۔

ج-شرح مختصر خلیل مالکی میں ہے: بیوی اگر شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا نہ چاہے تو اسے اس کا حق ہوگا الا یہ کہ وہ کم درجہ کی ہو، ابن سلمون فرماتے ہیں: جو شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اسے اپنے والدین کے ساتھ رکھے اور بیوی ضرر کی شکایت کرے تو شوہر کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اسے ان کے ساتھ رکھے، اسی طرح وہ اپنی اولاد کو بھی اس کے ساتھ نہیں رکھ سکتا ہے جو دوسری بیوی سے ہوں، الا یہ کہ بیوی خود اس کے لئے رضامند ہو (۳)۔

د-شرح الخلیل میں ہے: بیوی کے لئے رہائش کا انتظام ایسے گھر میں کیا جائے جہاں وہ تنہا رہ سکے (۴)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ چیز فطرت سلیمہ کے مطابق ہے، ہاں یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ یہ عورت کا حق ہے اور وہ اپنی مرضی سے اپنے شوہر کے اکرام کی خاطر اس سے دست بردار ہو سکتی

---

(۱) بدائع الصنائع ۴؍ ۲۳۔

(۲) کتاب النفقات للخصاف تحقیق ابو الوفاء افغانی ؍ ۳۵۔

(۳) شرح مختصر خلیل ۴؍ ۱۸۶۔

(۴) شرح الخلیل ۱۹؍ ۲۹۔

ہے، خاص طور پر اس صورت میں جب کہ شوہر کی بیمار ماں اکیلی ہوں اور اس کی دیکھ ریکھ کرنے والا دوسرا کوئی اور نہ ہو، لیکن شوہر کو ہر حال میں یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیوی کو اس پر مجبور کرے، اس لئے کہ یہ بیوی کا حق ہے، اس کے چھوڑنے پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا، الا یہ کہ وہ طیب خاطر سے اس کے لئے آمادہ ہو۔

بعض فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ اگر بیوی کی رہائش خاندان کے افراد کے درمیان ہو تو بھی ضروری ہے کہ شوہر کی اپنی بیوی کے ساتھ رہائش مستقل ہو، علامہ کاسانی لکھتے ہیں: اگر کوارٹر میں بہت سے کمرے ہوں اور شوہر بیوی کے لئے ایک کمرہ خالی کر کے دے دے جسے الگ سے بند کیا جا سکتا ہو تو پھر بیوی کو دوسرے گھر کے مطالبہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا[1]۔

ابو بکر اسکافی نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ جس گھر کا دروازہ ایسا ہو جسے بند کیا جا سکتا ہو اس میں شوہر اپنی بیوی سے بلا کراہت جماع کر سکتا ہے۔

اور خصاف نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ بیوی کے لئے ایسی رہائش کا نظم ضروری ہے جس میں اس کے لئے یہ موقع ہو کہ جب وہ اپنا کپڑا اتارنا چاہے اتار سکے[2]۔

۲- یہ کہ مسکن کشادہ ہو بشرطیکہ شوہر اس پر قادر ہو۔

اگر شوہر کی استطاعت میں ہو کہ وہ اس کے لئے کشادہ مسکن کا انتظام کر سکے تو ایسا کرنا اس کے لئے مناسب ہے، شیخ محمد بن یوسف فرماتے ہیں: جو شخص قادر ہو اس کے لئے مستحب ہے کہ اپنے مسکن کو کشادہ رکھے تاکہ عقل میں وسعت ہو اور حق کی ادائیگی بہتر طور پر ہو اور غنی کا سبب ہو اور گھر کا تنگ ہونا اس کی ضد ہے[3]۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۴/ ۲۳۔

(۲) کتاب النفقات تحقیق ابو الوفاء افغانی/ ۳۵۔

(۳) شرح النیل ۱۵/ ۲۳۔

۳- یہ کہ مسکن ایسی جگہ نہ ہو جس سے وحشت لاحق ہو:

ابو العباس شافعی نے ذکر کیا ہے کہ عورت کو ایسی جگہ میں رہنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس میں اسے وحشت لاحق ہو(۱) اور صاحب "المصنف" نے ذکر کیا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو ایسی جگہ ٹھہرائے جس میں اسے وحشت لاحق ہو تو شوہر جماعت کی نماز کے لئے نہیں جائے گا الا یہ کہ وہ وہاں ایسی عورت کو رکھ آئے جس سے اس کی واپسی تک اسے اُنس حاصل ہو(۲)۔

۴- یہ کہ رہائش صالح پڑوسیوں کے درمیان ہو:

اگر مکان وحشت کی جگہ نہ ہو لیکن وہ غیر صالح پڑوسیوں کے درمیان ہو تو عورت کو اس کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرے، (بشرطیکہ وہ اس پر قادر ہو) کہ وہ اسے صالح پڑوسیوں کے درمیان ٹھہرائے۔

خصاف فرماتے ہیں: اس لئے کہ مرد اگر بیوی والا نہ ہو تو بھی اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ صالح لوگوں کے درمیان سکونت اختیار کرے اور اگر وہ بیوی والا ہو تو پھر اسے صالح پڑوسیوں کی زیادہ ضرورت ہے(۳)۔

۵- یہ کہ مسکن عمدہ اور ہوادار ہو:

حقیقت یہ ہے کہ امت کے فقہاء بہت کشادہ ذہن تھے، جبکہ انہوں نے بیوی کے لئے یہ حق ثابت کیا، ابو العباس شافعی فرماتے ہیں: شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بیوی کے مسکن کی روشن دان کو اس پر بند کردے، ہاں وہ دروازہ بند کرسکتا ہے(۴)، اس میں کوئی شک نہیں کہ مسکن کے روشن دان کو بند نہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کو اتنی اچھی ہوا ملے جس میں وہ ایک انسان کی

---

(۱) نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۶۔

(۲) المصنف ۳۵/۳۵۳، جواہر الآثار ۳/۲۳۲۔

(۳) کتاب النفقات/۳۴۔

(۴) نہایۃ المحتاج ۷/۱۹۹۔

طرح خوشگوار زندگی گذار سکے، اس کی ضرورتوں اور صنفی نزاکتوں کی رعایت ضروری ہے۔

۶- یہ کہ بیوی کے لئے رہائش مناسب ہو:

شاید کہ یہ شرط سابقہ شرائط کے ضمن میں آچکی ہے، لیکن اس کی صراحت کر دینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گھر اور مسکن کے سلسلے میں بیوی کو آرام وراحت کا کتنا خیال رکھا گیا ہے اور کس درجہ اہتمام کیا گیا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں: مسکن وہ ہے جس سے اس کی بیوی بے نیاز نہ ہو سکتی ہو اور جس میں اس جیسی عورت خوشگوار زندگی گذار سکتی ہو[۱]۔

جو باتیں بیوی کی رہائش کے تعلق سے اوپر گذری شاید وہ فقہ اسلامی کی پختگی اور جامعیت کے معیار کو بیان کرتی ہیں کہ ازدواجی زندگی میں عورت کے حقوق کا کس درجہ خیال رکھا گیا ہے کہ بیوی کے لئے خاص مسکن ہو جس میں وہ اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ چین وسکون کی زندگی گذار سکے اور یہ کہ وہ کشادہ اور پر امن ہو اور ایسے پڑوسیوں کے درمیان ہو جن سے انسان کو انس حاصل ہو اور یہ کہ اس کی آب وہوا اچھی ہو، ضروری اسباب فراہم ہوں اور زیب وزینت اور آرائش کا ایسا سامان مہیا ہو جو اس جیسی عورتوں کے لئے مناسب ہو۔

دوم: کھانا پینا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"وعلی المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف"**[۲]
(اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے)۔

غالباً رزق میں پہلا مقصد کھانا پینا ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں[۳]: خلاصہ کلام یہ کہ عورت اگر اپنے آپ کو اس طرح شوہر کے سپرد کر دے جس طرح سپرد کرنا اس پر واجب ہے تو شوہر پر

(۱) الام للشافعی ۵/۷۸، شاید کہ اس سے گذشتہ بات کی تائید ہوتی ہے کہ امام شافعی نفقہ میں زوجین کے حال کی رعایت کرتے ہیں، تنہا شوہر کے حال کی نہیں، جیسا کہ بہت سے علماء نے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔
(۲) سورۂ بقرہ/۲۳۳۔
(۳) المغنی ۱۱/۳۵۱۔

لازم ہوگا کہ وہ اس کے لئے کھانے پینے، پہننے اور رہنے سہنے کی تمام ضروریات مہیا کرے اور کھانے پینے میں درج ذیل چیزیں ضروری ہیں:

۱- یہ کہ بقدر کفایت ہو، اور یہ اس لئے کہ حضرت ہندہؓ کی حدیث میں ہے: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف" (اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو جائے)۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: یہ وہ نفقہ ہے جس کی مقدار شریعت نے کافی ہونے سے بیان کیا ہے (۱)۔

اور عاملی نے ذکر کیا ہے کہ شوہر پر ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کی بھوک کو دفع کرے اور اس میں لوگوں کی حالت مختلف ہوتی ہے، کچھ لوگ کم کھاتے پیتے ہیں اور کچھ لوگ زیادہ۔ اور واجب بھوک کو دور کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کر دینا ہے، خواہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں ہی کے گھر سے کیوں نہ ہو۔

۲- یہ کہ کھانے میں تنوع ہو، لہذا شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک ہی قسم کا ڈھیر سا غلہ اور کھانا ہمیشہ کے لئے دے دے، یہ کہتے ہوئے کہ یہ کافی ہے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کرام کھانے کے انواع واقسام کی تفصیل بیان کرتے ہیں یعنی، غلے، اناج، سالن، تیل، دودھ، گوشت اور میوے، اسی قبیل سے وہ ہے جسے امام شافعی نے ذکر کیا ہے کہ اگر وہ ایسے شہر میں ہو جہاں مختلف قسم کے غلے استعمال کئے جاتے ہیں تو بیوی کے لئے زیادہ استعمال کیا جانے والا غلہ ہوگا (۲)، اور عاملی نے ذکر کیا ہے کہ اگر عام میوے دستیاب ہوں تو مرد اپنے اہل وعیال کو بھی ان میں سے کھلائے گا، اور ابن عبید ان اباضی نے ذکر کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے لئے کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں مہیا کرائے گا جس کی اسے ضرورت ہو اور جو خود اس

(۱) تفصیل وسائل الشریعہ للعاملی ۲۱/ ۵۱۳۔
(۲) الام للشافعی ۵/ ۸۸۔

کی استطاعت میں ہو(۱)، اور یہاں پر بہت تفصیل ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ مرد اپنے اہل وعیال کو ہفتہ میں ایک مرتبہ گوشت کھلائے یا دو مرتبہ یا ایک رات کے بعد دوسری رات، صاحب تکملۃ المجموع اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان سب کا مدار عرف غالب پر ہے اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے(۲)۔

ہمارے فقہاء نے کھانے سے متعلق عورت کے حق کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے، چنانچہ صاحب تکملۃ المجموع نے ذکر کیا ہے کہ مرد پر آج کا کھانا معاف نہیں ہوگا، اگر چہ گذشتہ کل کا کھانا باقی بچا ہو، مطلب یہ ہے کہ کھانا تازہ ہونا چاہئے، لیکن اس میں جو مبالغہ ہے اس سے یہ اندیشہ لاحق ہے کہ اگر اسے بیوی کا حق قرار دیا جائے تو بہت سی ان نعمتوں کی ناقدری ہوگی جن کی حفاظت کرنے اور جن سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ کھاتے ہیں اور کھانا بچ جاتا ہے تو اسے وہ فریز میں جمع کر لیتے ہیں اور نکال کر دوسرے دن بلکہ کئی دنوں تک بطیب خاطر بلا کسی کراہت کے کھاتے ہیں۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ بعض فقہاء نے شوہر پر کھانا پکانے کے تمام برتنوں کی فراہمی کو لازم قرار دیا ہے، اور وہ بیوی کے لئے پانی گھر لائے گا اور اگر گھر میں کنواں ہو تو اس کے لئے ڈول اور رسی فراہم کرے گا اور ہر وہ سامان لا کر دے گا جسے لانے کے لئے وہ باہر نہیں جا سکتی ہے(۳)۔

سوم: کپڑا:

قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس سلسلے میں صریح نصوص وارد ہیں کہ شوہر پر بیوی

---

(۱) جواہر الآثار ۳/ ۲۳۱۔

(۲) دیکھئے: المجموع ۱۸/ ۵۴، شرح مختصر خلیل ۴/ ۱۸۳-۱۸۴، المحلی لابن حزم ۱۰/ ۱۰۳، نہایۃ المحتاج ۷/ ۱۹۸، المصنف للکندی ۲۸/ ۱۵۶، شرح النیل ۱۵/ ۱۷۵۔

(۳) الام للشافعی ۵/ ۸۷، جواہر الآثار لابن عبیدان ۳/ ۲۳۱۔

کے لئے کپڑے فراہم کرنا ضروری ہے، اور امت کے فقہاء نے [1] اس کپڑے کی تفصیل درج ذیل طریقے پر ذکر کی ہے:

۱-بعض فقہاء نے بیوی کے واسطے گرمی کے لئے ایک کپڑا اور جاڑے کے لئے دوسرا کپڑا فراہم کرنے کو ضروری قرار دیا ہے اور اگر سردی زیادہ سخت ہو تو اس کے لئے بھرا ہوا چوغہ، چادر، لحاف، پاجامہ، کرتا، دوپٹہ اور نقاب کو ضروری قرار دیا ہے جو اس جیسی عورت کو گرمی فراہم کرے جیسا کہ امام شافعی نے ذکر کیا ہے۔

۲-اور بعض فقہاء نے بیوی کے لئے رات میں سونے کے لئے ایک کپڑا، گھر کے لئے دوسرے کپڑے اور باہر جانے کے لئے الگ کپڑے کو واجب قرار دیا ہے، اور باہر جانے کا جو کپڑا ہو اس کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس میں تمام شرعی شرائط پائے جائیں، یعنی یہ کہ ستر پوشی ہو، ایسا باریک نہ ہو جس سے بدن نظر آئے اور جو اس جیسی عورتوں کے لئے مناسب ہو۔

۳-دوسرے فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ شوہر پر ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے نماز کے لئے کپڑے تیار کرے۔

۴-شیخ مطیعی نے ذکر کیا ہے کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کے لئے گھر کے اندر استعمال کئے جانے والے کپڑے اور دوسرے کپڑے باہر جانے کے لئے اپنے شہر میں جاری عرف وعادت کے مطابق تیار کرے۔

۵-عورت کے کپڑوں کا سلوانا اس کے شوہر کے ذمہ ہے، الا یہ کہ شوہر کہے کہ کپڑے لاؤ میں تمہارے لئے سی دیتا ہوں اور بیوی دوسرے درزی سے کپڑا سلوا لے تو اس صورت میں سلائی خود بیوی پر لازم ہوگی۔

---

(۱) المحلی لابن حزم ۱۰/ ۱۰۸، الام للشافعی ۵/ ۸۷-۸۸، تکملۃ المجموع ۱۸/ ۲۵۸-۲۶۵، نہایۃ المحتاج للرملی، المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۵۹-۳۶۰، بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۲۳، شرح مختصر خلیل ۴/ ۱۸۵، جواہر الاکلیل ۳/ ۲۲۵، المصنف للکندی ۵۳/ ۳۷۔

۶۔بعض فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ بیوی کی خادمہ کا کپڑا فراہم کرنا بھی شوہر کے ذمہ ہے، اگر چہ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ خادمہ کے کپڑے کی قیمت بیوی کے کپڑے سے کم ہوگی، لیکن اسے انہوں نے کپڑے سے متعلق بیوی کے حق کے باب میں ذکر کیا ہے۔

چہارم: زیب وزینت اور نظافت کے سامان:

عورت کے لئے جو حقوق واجب ہیں ان میں صفائی ستھرائی اور زیب وزینت حاصل کرنے کے سامان بھی ہیں، ابن قدامہ لکھتے ہیں: شوہر پر بیوی کے لئے اس کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرنا ضروری ہے۔ مثلاً سر کے لئے کنگھی اور تیل، سر دھونے کے لئے بیری وغیرہ، اسی طرح وہ چیزیں جن سے اس کو نظافت حاصل ہو، اس لئے کہ نظافت کے لئے اسے استعمال کیا جاتا ہے، لہذا اس کا فراہم کرنا اس پر لازم ہوگا، اور خوشبو کی وہ قسم جسے بدبو دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً پسینہ کی دوا تو اس کا نظم کرنا شوہر پر ضروری ہوگا، اس لئے کہ اس کا استعمال صفائی ستھرائی کے لئے ہوتا ہے، البتہ خوشبو کی وہ قسم جس کا مقصد محض تلذذ اور استمتاع ہو، اسی طرح خضاب تو اس کا مہیا کرنا شوہر پر لازم نہ ہوگا، اس لئے کہ استمتاع شوہر کا حق ہے (1)۔

یہاں پر فقہاء ان چیزوں کے درمیان جو عورت کی نظافت اور اس کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہیں اور ان چیزوں کے درمیان جن کا استعمال نظافت کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ جن سے تلذذ اور استمتاع میں اضافہ ہوتا ہے، کے درمیان فرق کرتے ہیں، چنانچہ وہ پہلی قسم کی چیزوں کی فراہمی کو شوہر پر لازم قرار دیتے ہیں، مثلاً بال یا جسم کا صابون یا وہ سیال چیزیں جو خاص طور پر بال دھونے کے کام آتی ہیں اور کنگھی اور تیل وغیرہ، البتہ دوسری قسم کی چیزیں مثلاً خوشبو اور ناخن کو رنگنے والی یا سیال باریک پیسی ہوئی چیزیں تو اگر خود شوہر کو ان کی ضرورت ہو تو اس کا لانا اس پر

(1) المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۵۳-۳۵۴۔

لازم ہوگا اور اگر اسے ضرورت نہ ہو تو لازم نہ ہوگا[1]۔

فقہاء کے نزدیک ان چیزوں کے درمیان جو عورت کی صفائی ستھرائی اور پاکیزگی سے تعلق رکھتی ہیں اور ان چیزوں کے درمیان جو تلذذ کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں یہ تفریق کہ وہ پہلی قسم کی چیزوں کی فراہمی کو ضروری قرار دیتے ہیں اور دوسری قسم کی چیزوں کے بارے میں مرد کو اختیار دیتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فقہ اسلامی مرد و عورت کی فطری ضروریات کے ساتھ ترقی پذیر ہے، بلکہ ان اعلیٰ مکارم اخلاق کے ساتھ ترقی پذیر ہے جو زوجین میں سے ہر ایک کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر پوری طرح راضی رہیں، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں پر نظر ڈالنے سے بھی باز رہیں۔

پنجم: خادم:

جمہور فقہاء[2] کی رائے ہے کہ کچھ شرائط کے ساتھ عورت کے لئے خادم کی فراہمی ضروری ہے:

۱- اگر وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو جس میں اس کی خدمت کے لئے خادم رہتے ہوں۔

۲- اگر شوہر اتنا خوش حال ہو کہ وہ اس کے لئے خادم مہیا کرسکتا ہو، اور بعض فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ خادم عورت ہو مرد نہ ہو اور دوسرے فقہاء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر اسے ایک سے زیادہ خادم کی ضرورت ہو اور شوہر اس کا نظم کرسکتا ہو تو اس کا یہ حق ہوگا کہ شوہر اس کے لئے ایک سے زیادہ خادم مہیا کرے، بشرطیکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے گھر میں خدمت کے

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملۃ المجموع ۱۸/ ۲۵۳-۲۵۵، بدائع الصنائع ۴/ ۲۳، شرح مختصر خلیل ۴/ ۱۸۳، الأم للشافعی ۵/ ۱۰۷، تفصیل وسائل الشیعہ للعاملی ۲۱/ ۵۱۳۔

(۲) الأم للشافعی ۵/ ۸۷، بدائع الصنائع ۴/ ۲۴، شرح مختصر خلیل ۴/ ۱۸۵، المجموع للنووی ۱۸/ ۲۶۰، جواہر الآثار ۳/ ۳۳۲-۳۳۴، المحدث للکرخی ۵/ ۳۳۴، کتاب النفقات للخصاف تحقیق ابوالوفاء افغانی/ ۳۳۔

لئے خادم رہتے ہوں۔

شیخ مطیعی نے بڑی دقیق بات کہی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: اگر شوہر کہے کہ وہ خادم کے بجائے خود ہی اس کی خدمت کرے گا تو بیوی اسے مسترد کرسکتی ہے، اس لئے کہ وہ خادم سے جو کام لیتی ہے شوہر سے لینے سے باز رہے گی۔

امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے ایک خادم مہیا کرے، اس سے زیادہ نہیں، بشرطے کہ وہ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو جس میں گھر والوں کی خدمت کے لئے خادم رہتے ہوں اور وہ اس کے لئے ایسے خادم کا نظم کرے گا جو اس کے لئے وہ کھانا بنائے جسے وہ خود نہیں بنا سکتی، اور باہر سے ایسے سامان لا کر دے جسے لانے کے لئے وہ خود باہر نہیں جاسکتی، اسی طرح کی بات کندی اباضی نے کہا ہے اور اگر وہ خود سے کنویں سے پانی نہ بھر سکتی ہو تو شوہر پر لازم ہوگا کہ وہ اسے پانی لا کر دے، یا ایسے آدمی کا نظم کرے جو اس کے لئے پانی لائے جیسا کہ ابن عبیدان نے کہا۔

ششم: کچھ دوسری چیزیں:

قرآن وحدیث کے نصوص میں ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو متعین حالات میں عورت کے لئے واجب ہوتی ہیں، اور فقہاء نے کچھ دوسری چیزوں کی بھی صراحت کی ہے جو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک برتنے کے دائرہ میں آتی ہیں، یعنی یہ کہ وہ ایک انسان ہے جو شوہر کی طرف سے ہر طرح کی تعظیم وتکریم کی مستحق ہے، جن میں سے کچھ چیزیں درج ذیل ہیں:

۱- حالت حمل میں عورت کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن"[(۱)] (اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو تا آنکہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں)۔

---

(۱) سورۂ طلاق/۶۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ مطلقہ کے بارے میں ذکر کی گئی ہے، لیکن اس سے بدرجہ اولی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شوہر (اگر حسن معاشرت برتنے والا، بزم خو، شریف النفس اور کامل مردانگی والا ہوتو اس) پر لازم ہے کہ وہ حالت حمل میں بیوی کا خاص خیال رکھے اور اسے اس حال میں جو مشقت وآلام پیش آئیں اس میں اس کی اچھی کفالت کرے اور اس کے نفقہ میں اضافہ کرے، اس لئے کہ حمل اور جنین کی نشوونما میں عورت کی جو طاقت وقوت صرف ہوتی ہے اسے واپس لانے کے لئے اور جو کمزوری لاحق ہوتی ہے، اس کے ازالہ کے لئے دواؤں اور غذاؤں کا استعمال کرانا اور اس کی خصوصی نگرانی ورعایت کرنا ضروری ہے۔

۲-دودھ پلانے والی عورت کی رعایت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "**وعلی المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف، لا تكلف نفس إلا وسعها لا تضار والدة بولدها**"[۱] (اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے، کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ کسی ماں کو اس کے بچے کے سبب سے نقصان پہنچایا جائے)۔ اس آیت کی رو سے بیوی اگر بچے کو دودھ پلا رہی ہے تو اس کا حق ہے کہ اس کے نفقہ میں اضافہ کیا جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں: دودھ پلانے والی عورت عام عورتوں کی طرح نہیں ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے ایسی چیزوں کا نظم کیا جائے جن سے اسے رضاعت میں تقویت حاصل ہو، اللہ تعالیٰ مطلقہ کے بارے میں فرماتا ہے: "**فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن**"[۲] (پس اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو)۔

امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ شوہر دودھ پلانے کے لئے جس طرح اجنبی عورت کو رکھ سکتا ہے، اسی طرح وہ بیوی سے بھی اجارہ کا معاملہ کرسکتا ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اسے جائز قرار نہیں

(۱) سورۂ بقرہ/۲۳۳
(۲) سورۂ طلاق/۶۔

دیتے ہیں۔

لیکن عام صورت حال کی رو سے ہر شوہر پر لازم ہے کہ اگر بیوی اس کے بچہ کو دودھ پلا رہی ہے تو وہ اس کے نفقہ میں اضافہ کرے، اس لئے کہ وہ بچے کے لئے اپنے جسم کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کرتی ہے، اس لئے وہ بلاشبہ اس کی مستحق ہے کہ اسے اس کا معاوضہ دیا جائے۔

۳-ولادت کی اجرت:

بعض فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ ولادت کے وقت دائی کی اجرت شوہر پر ہے (۱)، یہ قول صحیح اور حسن معاشرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، جس کا شوہر شرعاً مکلف ہے، کیونکہ استقرار حمل کے بعد ہی سے بچوں کی ذمہ داری اس کے سر آتی ہے، اس لئے شوہر پر لازم ہے کہ ماں اور اس کے جنین پھر اپنے بچے کی رعایت کرے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ بیوی کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے تنہا بیوی کو یہ بوجھ اٹھانے کے لئے چھوڑ دے۔

۴-دھوبن کا نظم کرنا:

امام کندی نے ذکر کیا ہے کہ اگر بیوی کا کپڑا ناپاک ہوجائے تو شوہر پر ضروری ہے کہ اس کے کپڑے دھوئے، اسی طرح ان چھوٹے بچوں کے کپڑے بھی جو پیشاب پاخانہ سے پرہیز نہیں کرتے یا اس خدمت کے لئے کسی آدمی کو لائے (۲)۔

اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کے دور میں شوہر کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے کسی دھوبن کا نظم کرے، اس کی نوعیت شوہر کی مالی وسعت یا تنگ دستی کے لحاظ سے مختلف ہوگی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ امت اسلامیہ کے فقہاء میں سے کچھ حضرات وہ ہیں جنہوں نے بیوی کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے اس بات کو نظر انداز قرار دیا ہے کہ وہ ان بچوں کے کپڑے دھوئے جو پیشاب پاخانہ سے پرہیز نہیں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے عورت کے اندر کپڑوں کی

(۱) التاج والاکلیل لمختصر خلیل للمواق ۴/ ۱۸۴۔

(۲) المصدر ۳۵/ ۳۳۔

صفائی کے بارے میں ایک نفسیاتی بوجھ پیدا ہوتا ہے، اس لئے کچھ حضرات نے شوہر پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس کے لئے کپڑا دھونے والے کا انتظام کرے، اور اب چونکہ اس طرح کے کپڑوں کی صفائی کی بہت سی صورتیں نکل آئی ہیں، اس لئے اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ اس کے لئے کسی کپڑا دھونے والی کا نظم کیا جائے۔

۵-پانی گرم کرنے والے کا نظم کرنا:

امام ابن عبیدان نے جواہر الآثار میں ذکر کیا ہے کہ اگر بیوی نماز پڑھنا چاہے اور پانی ٹھنڈا ہو تو شوہر کو چاہئے کہ اس کے لئے پانی گرم کردے، یا کسی دوسرے آدمی سے یہ خدمت انجام دلوائے۔

یہ فکر بہت ترقی یافتہ ہے، اس لئے کہ پانی گرم کرنے کی بہت سی شکلیں وجود پذیر ہوگئی ہیں، خواہ گیس کے ذریعہ یا بجلی کے ذریعہ یا دھوپ کے ذریعہ، یہ سب صورتیں موجود ہیں، لیکن اگر شوہر کی استطاعت میں ہو کہ وہ اپنی بیوی کے لئے پانی گرم کرنے والے کا نظم کرے تو ایسا کرنا اس کی استطاعت کے لحاظ سے اس پر لازم ہوگا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قطب شمالی والے ممالک اور ان سے متصل دوسرے ممالک کی حالت ایسی ہے کہ پانی گرم کرنے والے کا نظم کرنا زندگی کی ان ضروریات میں شامل ہو جاتا ہے جن کا گھر میں فراہم کرنا شوہر پر لازم ہے۔

تیسری بحث:

اسلامی شریعت میں ماں کا حق نفقہ

مطلب اول:

اسلامی شریعت میں بیٹوں پر ماں کا نفقہ واجب ہونے کے دلائل:

۱- اللہ تعالی کا یہ فرمان: ''وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحسانا،،(۱) (اور تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرو)۔

مفسر قرطبی لکھتے ہیں: اللہ تعالی نے والدین کے حق کو توحید کے ساتھ ملایا ہے، اس لئے کہ پہلی خلقت اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور نشو ونما یعنی تربیت والدین کی طرف سے ہے(۲)۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں: والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اس سے بڑی نافرمانی اور کیا ہوگی کہ بیٹا خوش حال اور مالدار ہو اور وہ اپنے باپ یا دادا کو جانوروں کے باڑا میں جھاڑو دینے یا جانوروں کے چرانے، یا گوبر پھینکنے یا پچھنا لگانے یا لوگوں کے کپڑے دھونے یا حمام میں پانی گرم کرنے جیسے کاموں میں لگا رہنے دے، یا اپنی ماں یا دادی نانی کو لوگوں کی خدمت کرنے اور راستوں میں پانی چھڑکنے کے کام میں مشغول رہنے دے، جو شخص ایسا کرے بلاشبہ اس نے اپنے والدین کے لئے رحمت اور شفقت کے بازو نہیں جھکائے جس کا اللہ

---

(۱) سورۂ اسراء/ ۲۳۔

(۲) الجامع لأحکام القرآن ۱/ ۴۰۸۔

تعالیٰ نے حکم دیا ہے(۱)۔

۲-اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: "ووصینا الإنسان بوالدیه حملته أمه وهنا علی وهن وفصاله فی عامین أن اشکر لي ولوالدیک إلي المصیر وإن جاهداک علی أن تشرک بی ما لیس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفا"(۲)

(اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا کہ میرے شکر گذار رہو اور اپنے والدین کے، میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے باب میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک رکھو)۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ماں کے لئے مزید بھلائی اور احسان کا حکم دیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ حمل اور رضاعت کی مشقت برداشت کرتی ہے جو باپ نہیں کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ "ان دونوں کے ساتھ دنیا میں حسن سلوک کرو" یہ آیت کافر والدین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء اور مفسرین نے بیٹے پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ اگر اس کے والدین محتاج اور مفلس ہوں تو خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں ان کے لئے نفقہ فراہم کرے(۳)۔

اور امت کے فقہاء نے والدین کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے لئے نفقہ فراہم کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے قبل اس کے کہ والدین اپنے بیٹے سے مال کا سوال کریں۔

شیخ محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں: اولاد والدین کے ساتھ احسان کرنے کا مرتبہ اسی صورت میں حاصل کرسکتی ہے جب کہ وہ ان کے سوال کرنے سے قبل ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے

---

(۱) المحلی ۱۰/ ۱۰۸۔

(۲) سورۂ لقمان/ ۱۴-۱۵۔

(۳) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۶/ ۳۸۵۵، ۷/ ۵۱۴۶۔

سبقت کرے، اگر چہ والدین اس سے بے نیاز ہوں اور بندہ ابرار کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ والدین پر ہر محبوب چیز کو خرچ نہ کرے، چاہے وہ اس کا سوال کریں یا نہ کریں(۱)۔

اور ابن قدامہ مقدسی نے ذکر کیا ہے کہ والدین اگر محتاج ہوں تو ان کا نفقہ صرف کھانا پینا، رہائش اور لباس و پوشاک فراہم کرنے تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ باپ کو اگر حاجت ہو تو بیٹے پر لازم ہے کہ وہ انہیں پاک دامن رکھنے کے لئے ان کے نکاح کا انتظام کرے، یہ امام شافعی کا ظاہر مذہب ہے... ابن قدامہ امام ابوحنیفہؒ پر رد کرتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ان لذتوں میں سے ہے جس کا فراہم کرنا بیٹے پر ضروری نہیں جیسے کہ حلوا کی فراہمی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی اسے ضرورت لاحق ہوتی ہے اور جن کے نہ ہونے سے اسے نقصان پہنچتا ہے، اس لئے کہ بیوی کا وجود کھانا اور سالن کے مشابہ ہے، اور جہاں تک ماں کا تعلق ہے تو اسے پاک دامن رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ (بیوہ یا مطلقہ ہونے کی صورت میں) شادی کا مطالبہ کرے اور کفو کا رشتہ موجود ہو تو اس کی شادی کرادے، ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا لڑکے پر واجب ہے، اور حنفیہ اس مسئلہ میں ہماری موافقت کرتے ہیں، ابن قدامہ مزید لکھتے ہیں: بیٹے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کا نکاح کسی بدشکل یا بوڑھی عورت سے کردے جو قابل استمتاع نہ ہو(۲)۔

---

(۱) بحار الانوار الجامعۃ لدرر أخبار الأئمۃ الأطہار ۷۱/ ۴۰-۴۱۔

(۲) المغنی ۹/۱۱ ۳۷۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام اگر چہ بظاہر تعجب خیز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے، اس لئے کہ انسان (خواہ مرد ہو یا عورت اس) کے لئے نکاح کی ضرورت ایسی ہے جیسے کھانے پینے کی ضرورت، اکثر لوگوں کے نزدیک اس کا شمار زندگی کی ضروریات میں ہوتا ہے، اس لئے مرد کے لئے بہتر یہ ہے کہ جب اس کی بیوی کا انتقال ہو جائے تو وہ جلدی سے نکاح کرلے، اسی طرح اگر عورت کا شوہر مرجائے یا اسے طلاق دے دی جائے تو وہ ایسے مرد سے فوری طور پر نکاح کرلے جو اس کا کفو ہو، اور جو لوگ یہ حیلہ پیش کرتے ہیں کہ دوسرا نکاح پہلے شوہر کے ساتھ بے وفائی ہے تو یہ اس لئے غلط ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے حضرت خدیجہؓ کی وفات رمضان میں ہوئی اور شوال میں آپ ﷺ نے دوسرا نکاح فرمالیا اور حضرت ام سلمہؓ کے

۴- بخاری کی روایت ہے جو حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ رب العزت کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا، انہوں نے دریافت کیا: پھر کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کے ساتھ احسان کرنا، انہوں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (۱)۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کے ساتھ احسان کا مرتبہ وقت پر نماز ادا کرنے کے بعد اور جہاد فی سبیل اللہ سے مقدم قرار دیا ہے۔

مطلب دوم:

نفقہ سے متعلق وہ چیزیں جو ماں کے ساتھ خاص ہیں باپ کے لئے نہیں:

نفقہ میں بعض پہلو ایسے پائے جاتے ہیں جو ماں کے ساتھ خاص ہیں باپ کے لئے نہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

اول: اولاد کا نفقہ مستطیع باپ پر ہے ماں پر نہیں اگر چہ وہ مالدار ہو۔

باپ اگر اولاد کا نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو تو خاص طور پر نفقہ اسی پر واجب ہے، ماں پر نہیں، چاہے وہ خوش حال ہی کیوں نہ ہو، اس مسئلہ میں علماء نے اللہ تعالی کے اس قول سے استدلال کیا

= شوہر ابوسلمہ کی وفات ہوگئی تو اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دوسرا نکاح کیا، یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان نفس کی جائز مرغوبات سے کنارہ کش رہے اور اسے سب سے بڑی اور طاقتور لذت سے محرومی کا احساس ہوتا رہے اور کبھی انسان ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کا نفس حرام کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ اس سے باز رہنے پر قادر نہیں ہوتا، اور جس سماج میں مرد و عورت کو ایک دوسرے سے علاحدگی کے بعد دوسری شادی کا موقع نہیں دیا جاتا اس میں بہت سی بیماریاں اور بے جا الزامات واتہامات پائے جاتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ عرف وعادت کو شریعت کے حقائق اور بلند اخلاق کی طرف لوٹایا جائے۔

(۱) بخاری کتاب الادب حدیث: ۵۹۷۰۔

ہے: "وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (۱) (اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے)، اور حضرت ہندہؓ کی درج ذیل حدیث سے: "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف" (۲) (اتنا لے سکتی ہو جو دستور کے مطابق تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے کفایت کر جائے)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: والد پر اولاد کا نفقہ واجب ہے، اس کی ماں پر نہیں، خواہ اس کی ماں شادی شدہ ہو یا مطلقہ (۳)۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: حضرت ہندہؓ کی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ تنہا باپ پر اس کی اولاد کا نفقہ واجب ہے، اس میں اس کے ساتھ ماں شریک نہیں ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کے خلاف اگر کوئی قول شاذ ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی (۴)۔

کندی اباضی نے ذکر کیا ہے کہ اگر مرد اپنی مطلقہ کو چھوڑ کر چلا جائے اور اس کا کوئی بچہ ہو جس کا نفقہ اس کے غائبانہ میں مطلقہ نے ادا کیا تو اس سلسلے میں اولیاء کو پکڑا جائے گا اور یہ نفقہ بھاگنے والے شوہر کے ذمہ لازمی دین ہوگا۔ اور مطلقہ اگر اپنے بچے کو اس کے باپ کے حوالہ کردے، پھر وہ اس سے اس بچہ کو طلب کرے اور وہ اسے اس شرط کے ساتھ سپرد کرے کہ نفقہ اس پر نہیں ہوگا تو بھی اس کے لئے نفقہ ہوگا (۵)، یعنی مطلقہ کے لئے نفقہ کا حق ہوگا، اس لئے کہ مرد نے ایسی شرط لگائی ہے جس سے ایک ثابت شدہ حق باطل ہوتا ہے، لہذا اس شرط کو نافذ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۳۳۔

(۲) اس حدیث کی تخریج گذر چکی۔

(۳) الام للشافعی ۵/ ۱۰۰۔

(۴) زاد المعاد ۵/ ۵۰۲۔

(۵) المصنف ۲۳/ ۴۱، اس سے زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۷۸، بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۳۳، أحکام القرآن للجصاص ۳/ ۱۰۵، تفصیل وسائل الشریعہ ۵/ ۵۲۵۔

علامہ ابن حزم نے اس اصول کو ثابت کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے، حتی کہ وہ حد اعتدال سے نکل گئے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: لڑکے کے نفقہ کے لئے صرف اس کے بلوغ تک باپ کو مجبور کیا جائے گا ماں کو نہیں، اور لڑکی کے نفقہ کے لئے بلوغ کے بعد شادی ہوجانے تک باپ کو مجبور کیا جائے گا، ماں کو بچہ کے نفقہ کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر چہ وہ بھوک کے مارے مرجائے اور ماں بہت زیادہ مالدار ہو(1)۔

یہ ایسا قول ہے کہ ہم کسی کو اس سے اتفاق کرتے ہوئے نہیں دیکھتے ہیں، بلکہ اس کا شمار ان کے ان شاذ مسائل میں کیا جاتا ہے جس کا سبب فقہ ظاہری میں ان کا حد سے زیادہ غلو کر جانا ہے، جو عورت مالدار ہو اور اس کا شوہر اس کی اولاد کا نفقہ ادا نہ کرے یا وہ فقیر ہو تو اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ وہ علامہ کاسانی حنفی کے قول پر عمل کرے، وہ لکھتے ہیں: اس صورت میں عورت کو بچے کا نفقہ ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور باپ اگر قادر ہو تو وہ اس سے وصول کرلے گی اور اگر وہ فقیر ہو تو خوش حال ہوجانے کے بعد اس سے وصول کرے گی اور یہ ایسا قول ہے جو ماں کی فطرت

(1) المحلی لابن حزم ۱۰/ ۱۰۱، ابن حزم کا میلان دوسری جانب ہے جبکہ انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ مرد اگر محتاج ہو اور ماں خوش حال ہو تو بچہ کا نفقہ ماں پر واجب ہوگا باپ پر نہیں اور ماں بچے پر جو کچھ خرچ کرے گی اسے وہ باپ سے رجوع نہیں کرسکتی ہے اگر چہ وہ خوش حال ہوجائے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: جب تک باپ اولاد کے نفقہ پر قادر ہے تو ماں پر نفقہ کا کوئی حصہ واجب نہیں ہے۔ اسی پر نئے پرانے تمام اہل اسلام کا عمل ہے لیکن اگر باپ اس سے عاجز ہو یا اس حال میں مرجائے کہ بچوں کے پاس کوئی مال نہ ہو تو اس صورت میں ان کے نفقہ اور پوشاک کا فیصلہ ان کی ماں پر کیا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالی کا قول ہے: "لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده" (نہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر میں مبتلا کیا جائے گا اور نہ باپ کو) اور اس سے زیادہ ضرر رسانی کی بات اور کیا ہوگی کہ ماں مالدار ہو اور بچے لوگوں کے دروازوں پر ہاتھ پھیلا رہے ہوں (المحلی ۱۰/ ۱۰۹)، لیکن یہ راجح قول نہیں ہے، بلکہ راجح قول یہ ہے کہ بچے کا نفقہ عصبہ پر یا بچے کے تمام وارثین پر عائد ہوگا، یعنی اگر بچہ مرجائے تو اس کی میراث میں سے جس وارث کو جتنا ترکہ ملے گا اسی حساب سے اس پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اس مسئلہ میں مختلف فقہی مذاہب کی کتابوں میں اختلاف مشہور و معروف ہے دیکھئے: المغنی ۱۱/ ۳۸۰-۳۸۴، أحکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۰۹، زاد المعاد ۵/ ۵۰۳۔

سلیمہ اورشرعی حقوق دونوں سے میل کھاتا ہے، اس لئے وہ پہلے خرچ کرے گی پھر شوہر سے وصول کرے گی، لیکن اگر کوئی عورت ابن حزم کے ذکر کردہ قول پر عمل کرے تو وہ بچے کی قاتل شمار کی جائے گی اور شرعی احکام کی رو سے اس جرم پر جو سزا عائد ہوگی وہ اس پر نافذ کی جائے گی۔

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ماں منفی نقطۂ نظر سے اس صورت میں اولاد کے نفقہ کی ذمہ دار نہیں ہے جب کہ باپ نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہو خواہ عورت خوش حال کیوں نہ ہو، الا یہ کہ وہ طیب خاطر رضا کارانہ طور پر سخاوت سے کام لے، لیکن باپ بیٹوں کے بلوغ تک ان کے تمام اخراجات کا ذمہ دار ہوگا، بلوغ کے بعد اگر لڑکے کمانے پر قادر ہیں تو ان کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اور بیٹیوں کا نفقہ بلوغ کے بعد شادی ہو جانے تک باپ پر عائد ہوگا۔

اور جہاں تک اس مسئلہ میں مثبت پہلو کا تعلق ہے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جو صرف ماں کو ملتی ہیں باپ کو نہیں، یا باپ سے زیادہ ماں کو ملتی ہیں، تو ذیل کے فقرے میں ہم اسی موضوع سے متعلق بحث کریں گے۔

مطلب سوم:

ماں کا باپ سے زیادہ اولاد کے حسن سلوک کا مستحق ہونا:

اس سلسلے میں اصل وہ حدیث ہے، جسے امام بخاری وامام مسلم نے روایت کیا ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے دوبارہ سوال کیا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے تیسری دفعہ دریافت کیا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے چوتھی بار دریافت کیا: پھر کون؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تمہارا باپ (۱)۔

(۱) صحیح البخاری کتاب الادب حدیث: ۵۹۷۱، صحیح مسلم کتاب البر ۴/۱۷۴۱۔

اس حدیث کے ذیل میں امت کے علماء وفقہاء نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ماں باپ کے مقابلے میں زیادہ احسان کی مستحق ہے، اس سلسلے میں چند علماء کی تصریحات درج ذیل ہیں:

۱- علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ باپ سے جتنی محبت اور اس پر جتنی شفقت کی جاتی ہے مناسب یہ ہے کہ ماں کے ساتھ اس سے تین گنی زیادہ شفقت اور محبت کی جائے...اور یہ اس لئے کہ حمل، ولادت اور رضاعت کی مشقت تنہا ماں برداشت کرتی ہے، باپ نہیں، یہ تین مراحل وہ ہیں جن میں باپ کو کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی ہے (۱)۔

۲- علامہ شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بیٹا کے مال میں اگر اتنی وسعت نہ ہو کہ وہ ماں اور باپ دونوں پر بیک وقت خرچ کر سکے تو ماں نفقے کی زیادہ مستحق ہے، اسے قاضی عیاض نے نقل کیا ہے، امام مالک اور بعض شافعیہ سے بھی یہی منقول ہے اور حارث محاسبی نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حسن سلوک میں ماں کو باپ پر مقدم رکھا جائے گا۔

۳- صنعانی (۲) نے بھی شوکانی جیسی بات ذکر کی ہے اور آگے اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص اتنے مال کا مالک ہو کہ والدین میں سے کسی ایک ہی کی کفالت کر سکتا ہو تو احادیث کی بنا پر وہ خاص طور پر ماں کی کفالت کرے گا، اور قرآن کریم نے متنبہ کیا ہے کہ ماں کا حق زیادہ ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: "ووصينا الإنسان بوالديه إحسانا حملته أمه كرها

---

(۱) نیل الاوطار ۶/ ۲۳۷۔

(۲) سبل السلام ۳/ ۱۱۶۳، اور یہ اس حدیث کی تفسیر کے ذیل میں ہے جس کی روایت نسائی نے کی ہے اور ابن حبان اور دار قطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے یہ حدیث طارق محاربی کی سند سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے اور نفقہ کا آغاز ان لوگوں سے کرو جن کی کفالت کرتے ہو، یعنی اپنی ماں، باپ، بہن، بھائی، پھر الاقرب فالاقرب، اس حدیث میں ماں کو باپ پر اور بہن کو بھائی پر نفقہ میں مقدم رکھا گیا ہے۔

و وضعته کرھا"(۱) (اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملہ میں احسان کی ہدایت کی، اس کی ماں نے دکھ کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ کے ساتھ اس کو جنا)۔

۴- شیخ محمد باقر نے ذکر کیا ہے کہ ماں کو فضیلت دینے اور مقدم رکھنے کی بات **متفق علیہ** ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت میں ماں کا ذکر دوبار کیا گیا، پھر باپ کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی بنیاد پر ماں کے لئے دوتہائی احسان ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشہور روایت کی بنیاد پر تین چوتھائی احسان ماں کے لئے ہے۔

اور باوجودیکہ میں اس مسئلہ میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ اگر بیٹے کے پاس تھوڑا مال ہو تو اسے چاہئے کہ ماں باپ دونوں کی خبر گیری کرے اور اگر ماں کو زیادہ دے تو بہتر ہوگا، لیکن باپ کو عطیہ سے محروم نہیں رکھا جائے گا، لیکن اس کے باوجود ماں کو باپ پر جو واضح امتیاز واختصاص محبت وشفقت اور احسان وصلہ رحمی میں حاصل ہے اس کی اہمیت کم نہیں ہوتی، اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک فطری شئی ہے جو انسانی قلوب میں ودیعت کی گئی ہے، اگر آپ واقعات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اکثر لڑکے باپ سے زیادہ ماں کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالی نے ماں کی تکریم کی ہے اور نئی نسل کی تربیت اور رجال سازی میں اس کے کردار کو بنظر استحسان دیکھا ہے، جس کی بنا پر وہ باپ سے زیادہ احسان کی مستحق سمجھی گئی ہے۔

باپ کو بیٹوں کی طرف جو مادی حقوق حاصل ہوتے ہیں ماں کو شریعت اور فطرت کی رو سے ان سے زیادہ حقوق ملتے ہیں، اور شاید کہ آئندہ چل کر ہمیں ماں سے متعلق ایسے معنوی حقوق کا بھی علم ہو جو ان مادی حقوق پر مستزاد ہوں۔

---

(۱) سورۂ احقاف ر ۱۵۔

اسلامی شریعت میں

عورت کے حق میراث اور حق نفقہ کے درمیان توازن

تمہید

فصل اول میں ہم نے عورت کے حق میراث اور فصل دوم میں عورت کے حق نفقہ سے بحث کی ہے اور اس فصل میں ہم میراث کے چند مسائل کے تعلق سے یہ بحث کریں گے کہ عورت کے حق میراث اور حق نفقہ کے درمیان کیا تعلق ہے، اور خاص طور پر عورت کی ان حالتوں کی طرف توجہ مرکوز کریں گے جن میں عورت کو کبھی نصف حصہ ملتا ہے، سابقہ چار حالات میں اور وہ بیٹی، ماں، بہن اور بیوی ہے۔

اول: میراث کا بیٹی کے نفقہ سے تعلق

۱- اگر کوئی شخص مرجائے اور صرف ایک بیٹی چھوڑے اور اس کے دوسرے وارثین اصحاب فرائض یا عصبہ نہ ہوں تو اس صورت میں بیٹی پورے ترکہ کی مالک ہوگی، (نصف ترکہ اصحاب فرائض میں سے ہونے کی بنا پر اور باقی نصف بطور رد کے اسے ملے گا)، بیٹی کی یہ حالت اس صورت کے مشابہ ہے جب کہ کوئی شخص اپنے پیچھے صرف ایک بیٹا چھوڑ جائے تو اس صورت میں وہ عصبہ ہونے کی بنیاد پر باپ کی پوری جائداد کا وارث ہوگا، اس صورت میں بیٹی کو باپ کی پوری جائداد ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کفالت کرنے والا بھائی یا چچایا کوئی ایسا مرد موجود نہیں ہے جس پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے اس صورت میں اسے پورا ترکہ ملتا ہے، تا کہ اس سے اپنی کفالت کرسکے، اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس صورت میں وہ کسی مرد کی بیوی ہوسکتی ہے جو اس کا نفقہ ادا کرتا ہے، اور دیگر ضروریات کی کفالت کرتا ہے جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔

۲-اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا بھی موجود ہوتو ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ بیٹی کو ایک حصہ اور بیٹے کو دو حصہ دیا جائے گا، یہاں پر بیٹی کا حصہ کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عصبہ یعنی بھائی موجود ہے جس پر بہن کے محتاج ہونے کی صورت میں اس کی کفالت واجب ہے اور جسے بہن کے نکاح کی ولایت اور کسی قسم کے خطرے کا شکار ہونے کی صورت میں اس کی نصرت وحمایت حاصل ہوتی ہے۔

پھر جب اس بیٹی کی شادی ہوگی تو شوہر کی طرف سے اسے مہر ملے گا اور وہ اس کے لئے رہائش، گھریلو فرنیچر اور دیگر سامانوں کا نظم کرے گا اور اس کا نفقہ شوہر پر ایک لازمی حق ہوگا، لیکن اس کا وہ بھائی جسے اس کا دوگنا ترکہ ملا ہے وہ اپنی بیوی کو مہر دے گا، اس کے لئے مسکن اور دیگر سامانوں کا انتظام کرے گا جس کے نتیجے میں بیٹی کو اس کے بھائی کے مقابلہ میں زیادہ مال وجائداد بچ جائے گا جس نے اس سے دوگنا ترکہ پایا تھا۔

اس کی وضاحت کے لئے ہم یہ صورت مسئلہ فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص مرگیا اور اس نے اپنے ایک پوتا اور پوتی کو چھوڑا (جو باہم چچازاد بھائی بہن ہیں) اور ترکہ میں تیس ہزار روپے چھوڑے تو ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی:

پوتی	پوتا
۱	۲
۱۰,۰۰۰ روپے	۲۰,۰۰۰ روپے

اس صورت میں اگر چچازاد بھائی اپنی چچازاد بہن سے نکاح کرنا چاہے تو بہن کا پورا مال محفوظ رہے گا اور وہ اس سے مہر وصول کرے گی، جس میں ممکن ہے کہ پوتا کو اپنے دادا کے ترکہ سے ملا ہوا دو تہائی حصہ یعنی بیس ہزار کی رقم صرف ہوجائے، اس پر مزید اضافہ یہ کہ اسے اپنی بیوی کے لئے مسکن اور اس کے فرنیچر کا انتظام کرنا پڑے گا پھر اس پر مستقل طور پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری بھی عائد ہوگی، اس طریقے پر جس کا ذکر پہلے گذر چکا، تو غور کرکے دیکھ لیا جائے کہ یہاں

کس کو زیادہ حصہ ملا؟

اس صورت میں بلاشک وتردد کے جواب یہ ہوگا کہ (نتیجہ کے اعتبار سے) عورت کو اس کے چچازاد بھائی کے مقابلے میں زیادہ حصہ ملا، حالانکہ اس کو اپنے چچازاد بھائی کے مقابلہ میں نصف ترکہ ملا تھا۔

۳-ذیل کی دو مثالوں میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ میراث کی مقدار اور نفقہ کی ذمہ داری کے درمیان مضبوط ربط وتعلق ہے۔

ترکہ چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) روپے

بیٹی	باپ
نصف	چھٹا حصہ+باقی مال بطور عصبہ
تہائی	تہائی
۲۰۰۰۰ روپے	۲۰۰۰۰ روپے

بیٹی	ماں
ایک تہائی	چھٹا حصہ+باقی مال بطور رد
تہائی	ا
۳۰۰۰۰ روپے	۱۰۰۰۰ روپے

اوپر کی مثال میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ بیٹی کے ساتھ عصبہ یعنی اس کا دادا ہے (جو میت کا باپ ہے) اور پوتی اگر محتاج ہو تو اس کے نفقہ کی کفالت کرنے میں دادا باپ کے قائم مقام ہے اور نکاح وغیرہ میں وہ اس کا ولی ہوتا ہے، یہاں پر بیٹی کو نصف ترکہ ملا اور باقی نصف اس کے دادا کو ملا۔

جبکہ ہم دوسری مثال میں دیکھ رہے ہیں کہ بیٹی کا کوئی عصبہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے ساتھ اس کی دادی وارث ہو رہی ہے، اور دادی اپنی پوتی یا پوتوں کے نفقہ کی ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے کہ اصل میں وہ اپنی اولاد کے نفقہ کی ذمہ دار نہیں ہے، اس تفصیل کے مطابق جس کا ذکر پہلے گزرا کہ بیٹے کے نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہے ماں پر نہیں، اسی طرح دادی پر بھی اپنی پوتی کے نفقہ کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، اسی بنا پر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس دوسری مثال میں وراثت

کی نوعیت مختلف ہے، چنانچہ دادی کو یہاں وراثت میں دس ہزار روپے مل رہے ہیں (یعنی کل ترکہ کا چوتھائی حصہ) جب کہ بیٹی کو اس کا تین گنا مل رہا ہے، (یعنی کل ترکہ کا تین چوتھائی حصہ) اس لئے کہ اس کی حمایت کم ہوگئی ہے اور اس کی کفالت کی صورتیں کمزور ہوگئی ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں جو حصر کا فائدہ تو نہیں دے رہی ہیں لیکن ان سے مقصود کی وضاحت ہو رہی ہے۔

دوم: ماں کی میراث کا نفقہ سے تعلق:

۱- جبکہ نادر حالات میں ماں کو باپ کا آدھا ملتا ہے، تو اکثر حالات میں اسے باپ کے برابر حصہ ملتا ہے جس کا ذکر فصل اول میں گذر چکا۔

پس اگر درج ذیل صورت پائی جائے:

باپ	ماں
باقی ماندہ ترکہ بطور عصبہ	ایک تہائی

نادر حالت

باپ	ماں	بیٹا
چھٹا حصہ	چھٹا حصہ	باقی ماندہ ترکہ بطور عصبہ

عام حالت

نادر حالت میں واقعی صورت حال یہ ہے کہ باپ ماں کا کفیل ہوتا ہے، اس لئے کہ عام حالت میں وہ اس کا شوہر ہوگا اور اس پر ازدواجی زندگی کی تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جیسا کہ پہلے اس کا ذکر گذر چکا، پس ماں صرف ایک تہائی لے گی اور اس پر کسی کے نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی، اور باپ دو تہائی لے گا جس پر اپنی بیوی اور اولاد کے نفقہ کی بھی ذمہ داری ہے۔

اور اگر ماں باپ کی بیوی نہ ہو یعنی کسی وجہ سے دونوں کے درمیان علاحدگی واقع ہوگئی ہو تو پھر وہ اپنے باپ یا بھائی کی کفالت میں ہوگی، یا اگر اس کا دوسرا نکاح ہوگیا ہوگا تو اس کا نیا شوہر اسے مہر دے گا، اور اس کے لئے مسکن وغیرہ کا انتظام کرے گا، کیونکہ یہ اس کے لئے بیوی کے شرعی حقوق کی حیثیت سے ثابت ہے، لیکن اگر اس کا باپ اس کی ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے

نکاح کرنا چاہے گا تو اس صورت میں اسے مہر وغیرہ دینا پڑے گا، جو اس کے اس چھٹے حصے سے زیادہ ہوسکتا ہے جو اسے ماں کے مقابلہ میں زیادہ ملا ہے۔

۳- نیچے کی دو مثالیں بھی اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ماں کی میراث اور اس کے نفقہ کے درمیان مضبوط ربط و تعلق ہے۔

باپ	ماں	بھائی
باقی ماندہ ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے	ایک تہائی	باپ کی وجہ سے مجحوب

ماں	حقیقی بھائی
ایک تہائی	باقی ماندہ ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے

باپ نے یہاں پر حقیقی بھائی اور علاتی بھائی کو مجحوب کردیا ہے، اس لئے کہ وہ ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہے، جب کہ ماں نے حقیقی بھائی کو مجحوب نہیں کیا ہے، اس لئے کہ وہ باپ کے برعکس اس کے نفقہ کی ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ بھائی اگر حقیقی ہے تو وہ خود ماں کے نفقہ کا ذمہ دار ہے، اس لئے کہ وہ حقیقت میں خود اس کی بھی ماں ہے، لہذا ماں کا بوجھ اس کی گردن پر ہے، کیوں کہ اس کا حق نفقہ بھی اس کے ذمہ ہے اور اگر وہ نکاح کرنا چاہے تو وہ اس کا ولی بھی ہوگا، اور ماں کا اس پر حق ہے کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہے تو کفو میں اس کا نکاح کرادے اور اگر اسے نکاح کی رغبت نہ ہو تو لڑکے پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی دیکھ ریکھ کرے اور حسن سلوک سے پیش آئے، یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ حقیقی بھائی کا حصہ اور باپ کا حصہ برابر ہے، اس لئے کہ وہ ماں کا نفقہ ادا کرنے میں باپ کے قائم مقام ہے۔

۳- ممکن ہے کہ نیچے کی دو مثالوں پر غور کرنے سے ہمارا یہ یقین بڑھ جائے گا کہ نفقہ کا مسئلہ میراث کے ساتھ مربوط ہے۔

ماں	حقیقی بھائی
ایک تہائی	باقی ماندہ ترکہ بطور عصبہ

ماں	دو حقیقی بھائی
چھٹا حصہ	باقی ماندہ ترکہ بطور عصبہ

یہاں پہلی مثال میں ماں نے ایک تہائی لیا، اس لئے کہ اس کا ایک لڑکا ہے جو اس کے نفقہ

کا ذمہ دار ہے، اور جب کئی بھائی ہوگئے تو ماں کو چھٹا حصہ ملا، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''فإن كان له إخوة فلأمه السدس''[1] (اگر میت کے چند بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے)، اس لئے کہ ماں کی کفالت میں وسعت پیدا ہوگئی اور چند بھائیوں (یعنی دو یا دو سے زیادہ بھائیوں) پر اس کی کفالت کی ذمہ داری آ گئی، اس لئے کہ اگر ایک مفلس ہوجائے گا تو دوسرا اسے نفقہ دے گا، اس لئے اس کا حصہ ایک تہائی سے گھٹ کر چھٹے حصے تک پہنچ گیا۔

سوم: میراث کا بہن کے نفقہ سے تعلق:

۱-ترکہ میں اگر تنہا بہن ہو اور اس کا کوئی بھائی نہ ہو تو وہ نصف ترکہ اصحاب فرائض میں سے ہونے کی بنا پر لے گی اور باقی نصف اسے بطور رد کے ملے گا، اس لئے کہ کوئی دوسرا وارث موجود نہیں ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی بھائی بھی ہو تو بھائی کے مقابلہ میں اسے نصف ملے گا اور ترکہ کی تقسیم تین حصوں میں ہوگی۔

اور یہاں پر بہن کے حالات مکمل طور پر بیٹی کے مشابہ ہیں، خواہ بیٹی اکیلی ہو یا بیٹے کے ساتھ ہو، لہذا ہم اسی پر اکتفا کر رہے ہیں جس کا ابھی اوپر بیٹی کے ترکہ کے تحت ذکر کیا گیا۔

۲-جب بہن اپنے مقابلہ کے بھائی کے ساتھ اس کا آدھا پاتی ہے تو اگر اس کے ساتھ باپ موجود ہو تو بہن کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے کہ اس صورت میں اس کے نفقہ کی کفالت پوری طرح اس کے باپ کے سر ہے جب تک کہ اس کی شادی نہ ہوجائے، اور یہ بات قطعی ہے کہ باپ کو اپنی اولاد کے تئیں ذمہ داری کا جو احساس ہوتا ہے وہ اس ذمہ داری کے احساس سے قطعاً مختلف ہے جو بھائی کو اپنی بہنوں کے بارے میں ہوتا ہے، اسی بنا پر وہ باپ کی موجودگی میں ترکہ نہیں پاتی ہے اور اپنے بھائی کی موجودگی میں ایک تہائی ترکہ پاتی ہے۔

---

(۱) سورہ نساء/۱۱۔

۳- میراث اور نفقہ کا باہمی تعلق اس صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب ایک عورت اپنی بہن اور شوہر کو چھوڑ کر مر جائے تو شوہر کو نصف ترکہ ملے گا، اس لئے کہ کوئی فرع وارث نہیں ہے (یعنی اولاد در اولاد نیچے تک) جب کہ بہن کو باقی نصف ملے گا، اور یہ اس لئے کہ بہن کا شوہر بیوی کی بہن کی کفالت نہیں کرتا ہے، اور اس طرح درج ذیل مثالوں میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ بہن کے حق کا کیا درجہ ہے، اور کس طرح بتدریج اس میں ترقی ہوتی ہے۔

بہن	باپ	بہن	بھائی	بہن	شوہر	تنہا بہن
مجحوب	پورا ترکہ پائے گا	ایک حصہ ایک تہائی	دو حصہ دو تہائی	نصف ایک حصہ	نصف ایک حصہ	نصف بطور فرض کے + باقی ماندہ ترکہ بطور رد

اگر ہم اس منحنی کے لئے کوئی وضاحتی لکیر کھینچیں تو وہ صفر سے شروع ہوگا، جب کہ بہن کو اپنے باپ کے ساتھ پوری کفالت مل رہی ہو، پھر وہ اپنے بھائی کے ساتھ تہائی ترکہ پائے گی، ان تمام صورتوں میں (بیٹی کی طرح) بہن کے لئے کفالت کرنے والا دوسرا سرپرست موجود ہے یا اس کا انتظار ہے یعنی شادی، اس لئے کہ اس صورت میں تمام ذمہ داریوں کے سلسلے میں عورت کا بوجھ بالکل ہلکا ہو جاتا ہے۔

۴- وراثت کا نفقہ کے ساتھ تعلق اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی میراث میں ظاہر ہوتا ہے، اس لئے کہ بھائی کو بہن کے برابر ترکہ ملتا ہے، اس لئے کہ قرابت کا تعلق کمزور ہے، لہذا اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ بھائی اپنی اخیافی بہن کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرے، ہاں شاذ و نادر صورت میں اس کا امکان ہے، اس لئے اس صورت میں اللہ تعالی نے میراث میں ان سب کا حصہ برابر رکھا ہے، پس اگر کوئی عورت انتقال کر جائے اور درج ذیل وارثین کو چھوڑ جائے تو ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی:

شوہر	ماں	اخیافی بھائی —— اخیافی بہن
نصف	چھٹا حصہ	دونوں ایک تہائی میں برابر کے شریک
۳	۱	۱ ۱

اگر حقیقی بھائی کے ساتھ حقیقی بہن ہو تو وہ بھائی کا آدھا لے گی، لیکن یہاں پر رشتہ کی کمزوری کی وجہ سے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو برابر حصہ مل رہا ہے۔

۵- اگر کسی مسئلہ میں درج ذیل وارثین پائے جائیں:

شوہر	حقیقی بھائی	علاتی بہن
نصف	باقی ترکہ بطور عصبہ	حقیقی بھائی کی وجہ سے مجوب

شوہر	حقیقی بہن	علاتی بہن
نصف	نصف	چھٹا حصہ

یہاں پر حقیقی بھائی نے علاتی بہن کو مجوب کر دیا، اس لئے کہ اس کا بہن سے جو تعلق ہے اس کی بنا پر اگر بہن کا شوہر نہ ہو یا اس کے پاس مال نہ ہو جس سے اس کی کفالت ہو سکے تو بھائی اس کا ذمہ دار ہو جائے گا۔

لیکن جب حقیقی بھائی کے بجائے حقیقی بہن پائی گئی جو اپنی علاتی بہن کی کفالت کا بوجھ برداشت نہیں کرتی تو اس صورت میں علاتی بہن اصحاب فرائض میں شامل ہوگئی اور اسے چھٹا حصہ ملا۔

چہارم: میراث کا بیوی کے نفقہ سے تعلق:

یہ بات واضح ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے مقابلہ میں نصف ترکہ پاتی ہے، یعنی شوہر کی وفات کی صورت میں اسے شوہر کی میراث سے جو حصہ ملتا ہے خود اس کی وفات کی صورت میں اس کے شوہر کو اس کی میراث سے اس کا دوگنا ملتا ہے، لیکن یہاں پر کچھ ایسے امور ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے:

۱-شوہر کی جانب سے بیوی کی (سابقہ طریقے پر) مکمل کفالت ہوتی ہے جس کی بناپر جانبین میں سے ہر ایک مادی سطح پر دوسرے سے جو لیتا ہے اس میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلہ میں بڑھ جاتا۔

۲-عام صورت حال یہ ہے کہ مرد کسب معاش کے لئے دوڑ بھاگ اور محنت کرتے ہیں، تجارتی سفر کرتے ہیں، ملازمت اور کاروبار میں لگتے ہیں اور ڈھیر سامال کماتے ہیں، اور دولت وسرمایہ جمع کرتے ہیں، جب کہ عورتیں بالعموم اپنے گھر کی تنظیم اور بچوں کی پرورش میں مشغول رہتی ہیں اور انہیں کمانے کا زیادہ مواقع میسر نہیں آتے، اس بناپر عام طور پر مرد عورت کے مقابلہ میں زیادہ مال دار ہوتا ہے، اس بناپر مرد کے انتقال پاجانے کی صورت میں اس کی متروکہ جائداد میں سے اس کی بیوی کو جو چوتھائی یا آٹھواں حصہ ملتا ہے، اس کی مقدار عام طور پر شوہر کے اس حصہ سے بڑھ جاتی ہے جو اس کی بیوی کے وفات پانے کی صورت میں اس کے ترکہ میں سے اسے نصف یا چوتھائی کی صورت میں ملتا ہے، مثلاً فرض کیجئے کہ ایک ایسے شخص کی وفات ہوئی جو ایک لاکھ بیس ہزار روپے کا مالک تھا تو اس کا چوتھائی حصہ تیس ہزار روپے ہوگا اور آٹھواں حصہ پندرہ ہزار روپے ہوگا، اور اگر کوئی ایسی عورت انتقال کرجائے جس کی ملکیت میں چالیس ہزار روپے تھے تو اس کا آدھا بیس ہزار ہوگا اور چوتھائی دس ہزار، تو عام حالات میں نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت کو شوہر کے ترکہ میں سے ملنے والی مقدار شوہر کو اپنی بیوی کے ترکہ میں سے ملنے والی مقدار سے بڑھ جائے گی، اور نادر حالات میں مرد کو بیوی کی میراث سے زیادہ حصہ ملے گا، لیکن درج ذیل نقطہ بھی اس نتیجہ کو بدل دے گا۔

۳-اگر عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو اصل یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات اور اپنی عدت کے گذر جانے کے بعد دوسری شادی کرلے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرا فإذا بلغن أجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف والله بما تعملون

خبیر"[1] (اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے بارے میں چار ماہ دس دن تو قف کریں پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور اللہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے)۔

جیسا کہ مرد میں اصل یہ ہے کہ اگر اس کی بیوی مر جائے تو وہ فوراً ہی دوسری شادی کر لیتا ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں ان دونوں کی مصلحت ہے، خاص طور پر اسلامی معاشرے میں عفت وعصمت کی روح باقی رہے اور اللہ تعالی کی مباح کردہ چیز سے محرومی کا احساس نہ ہو، اس اصول کی بنیاد پر اگر مرد وعورت میں سے ہر ایک شادی کے لئے قدم اٹھائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد کو عام حالات میں نئی شادی اور خانہ آبادی کے لئے اس سے زیادہ خرچ کرنا پڑے گا جو اسے اپنی پہلی بیوی سے ترکہ میں ملا تھا، جب کہ عورت اپنے نئے شوہر سے جوہر، قیمتی ہدیے، تحفے، مسکن، فرنیچر اور پورا نفقہ وصول کرے گی، اس سے اس کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی اور وہ اس ترکہ پر مستزاد ہوگا جو اسے اپنے پہلے شوہر سے ملا تھا۔

۴-شوہر کی وفات کے بعد اگر عورت نکاح نہ کرے تو عام صورت حال یہی ہے کہ اس کے بیٹے ہوں گے اور اولاد اگر نابالغ ہو تو ان کے مال میں اس کے لئے حصہ مقرر کیا جائے گا جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہے، ورنہ تو اس کا نفقہ اس کے باپ یا عصبہ پر لوٹ آئے گا۔

کندی لکھتے ہیں: اگر باپ کی وفات ہو جائے تو دادا کے مال میں ماں کے لئے اتنا حصہ مقرر کیا جائے گا جو اس کے لئے کافی ہو جائے اور اگر دادا کے پاس مال نہ ہو تو ماں کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری عصبہ پر ہوگی۔

وہ مزید لکھتے ہیں: اگر ماں کو اپنے لڑکے کے مال کی ضرورت ہو تو وہ اس کے اصل مال کو

---

(۱) سورۂ بقرہ/ ۲۳۴۔

فروخت کر کے اپنے کھانے پینے اور لباس و پوشاک کا انتظام کرے گی، لیکن اگر اس کے بیٹے کو اس کے ماں کے مال کی حاجت ہوتو وہ اس کی رائے اور رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا ہے، لیکن اگر اولاد بالغ ہو اور وہ خوش دلی کے ساتھ خود سے اپنی مسکین ماں کو نفقہ نہ دیں تو انہیں اس کے لئے قضاءً مجبور کیا جائے گا، اور اگر وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد شادی کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو تو اس کا نفقہ اس کے باپ یا بھائی یا اس کے عصبہ میں سے جو لوگ موجود ہوں ان پر الاقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق لوٹ آئے گا، بلکہ اگر عورت شوہر سے علاحدگی کے بعد اپنے سابق شوہر کے زندہ رہتے ہوئے کسی فقیر سے شادی کرلے تو اس کی وجہ سے مالدار بیٹے سے ماں کا نفقہ ساقط نہیں کیا جائے گا، صاحب شرح النیل فرماتے ہیں: ہاں اگر سابق شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے اور وہ شوہر فقیر ہو تو اس نئے نکاح کی وجہ سے ماں کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

اوپر جو بحثیں گذریں ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عورت کے مرنے سے اس کے شوہر کو جو ترکہ ملتا ہے اور شوہر کے انتقال کر جانے کی صورت میں اسے جو اس کی نصف مقدار ملتی ہے اس میں اس پر قطعاً کوئی ظلم نہیں کیا گیا ہے۔

پنجم: کچھ دوسرے حالات:

یہاں پر کچھ مسائل وہ ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ میراث کا نفقہ سے گہرا تعلق ہے، جن میں سے کچھ مسائل درج ذیل ہیں:

۱- دادی کی میراث:

جب کہ درج ذیل ورثاء پائے جائیں:

باپ	دادی	دادا	نانی
عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ترکہ	باپ کی وجہ سے محجوب	باپ کی وجہ سے محجوب	چھٹا حصہ

یہاں پر باپ نے اپنے باپ اور اپنی ماں کو محجوب کردیا ہے، اس لئے کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کے نفقہ کی کفالت کرنا اس کی ذمہ داری ہے، اور اس مسئلہ میں جو نانی ہے وہ یہاں باپ کی خوش دامن ہے، اس لئے کہ وہ اس کی بیوی کی ماں ہے، اور چونکہ وہ اس کے نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہے اس لئے نانی کو چھٹا حصہ ملا، اور اس مسئلہ میں اس کی نظیر دادی ہے اور مردوں میں دادا ہے جن کا تعلق میت سے بہت زیادہ قوی ہے، اس کے باوجود نانی کے ہم مثل دیگر مرد و عورت وارث نہیں ہوئے، اس لئے کہ یہاں ان کی کفالت کرنے والا اور ان کا ذمہ دار موجود ہے۔

ان صورتوں سے ہم درج ذیل نتائج تک پہنچتے ہیں جو شریعت میں ثابت شدہ ہیں:

۱- یہاں عورت کے حق میراث اور حق نفقہ کے درمیان باریک ربانی توازن قائم ہے۔

۲- جب عورت کی کفالت کی طاقت ور اور یقینی صورت نکل آتی ہے تو میراث میں اس کا حصہ مرد کے حصہ سے گھٹ جاتا ہے، اس لئے کہ نفقہ میں اس کا حق قوی ہے۔

۳- جب اس کی کفالت کی صورتیں کم ہوجاتی ہیں تو عورت کو مرد کے برابر ترکہ ملتا ہے، مثلاً اخیافی بہنیں، اخیافی بھائیوں کے ساتھ برابر ترکہ پاتی ہیں اور کبھی عورت مرد سے زیادہ ترکہ پاتی ہے اور کبھی وہ وارث ہوتی اور اس کے مدمقابل اور ہم رتبہ جو مرد ہیں وہ وارث نہیں ہوتے۔

۴- اگر ہم عورت کے ان حقوق کو جو اسے حاصل ہوتے ہیں ایک پلڑے میں رکھیں اور میراث میں اسے جو حصہ ملتا ہے (خواہ وہ جو بھی ہو) اسے دوسرے پلڑے میں رکھیں تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اور یہ مرد کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ یہ عورت کے ضعف اور صنفی نزاکت کی رعایت ہے کہ وہ مرد کی طرح کمانے اور پیشہ اختیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے عوض میں یہ بہت سارے حقوق عطا کئے ہیں جو اس کے لئے خواہ وہ بیٹی ہو یا بیوی یا ماں ایک باعزت اور شریفانہ زندگی کے ضامن ہیں۔

☆☆☆